نقشِ زندگانی

حیاتِ امام حسنؑ مجتبیٰ

ولادت: ۱۵ر رمضان المبارک سنہ ۳ھ

شہادت: ۲۸ر صفر سنہ ۵۰ھ

باسمہ سبحانہ

نقشِ زندگانی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

یکم ذی الحجہ ۲ھ کو مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا عقد صدیقہ طاہرہ حضرت فاطمہؑ سے ہوا، اور اس کے تقریباً ۹½ ماہ کے بعد ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ میں امام حسنؑ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ جس کے بارے میں جناب ام الفضل نے یہ خواب دیکھا تھا کہ رسول اکرمؐ کے جسم اقدس کا ایک ٹکڑا میری گود میں آگیا ہے اور سخت پریشان تھیں کہ رسول اکرمؐ نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ عنقریب میری بیٹی فاطمہؑ کے یہاں فرزند پیدا ہونے والا ہے اور اس کی تربیت کا شرف تمھیں کو حاصل ہوگا۔

ولادت کے موقع پر نام رکھنے کی رسم میں نہ حضرت علیؑ نے سبقت کی اور نہ حضرت زہراؑ نے۔ خود رسول اکرمؐ نے بھی وحی الٰہی کا انتظار کیا اور جبرئیل امین یہ پیغام الٰہی لے کر آئے کہ علیؑ بمنزلہ ہارون ہیں تو ان کے فرزند کا نام ہارون کے فرزند کے نام پر شبر رکھ دو یا عربی زبان کے اعتبار سے حسنؑ اور اس طرح زہراؑ کے اس پہلے فرزند کا نام حسنؑ طے ہوگیا اور یہ نام خزانۂ قدرت سے عطا کیا گیا تھا کہ اس سے پہلے یہ نام کسی کا نہ تھا۔

- القاب میں زکی، طیب، سبط رسولؐ اور نبضِ رسولؐ "سید" مشہور لقب ہے۔
- کنیت ابو محمد ہے، جس کا تذکرہ مسلسل روایات اور زیارات میں وارد ہوا ہے۔
- ولادت کے بعد پہلی غذا رسول اکرمؐ کی زبانِ مبارک سے حاصل کی جو ظاہری اعتبار سے اثراتِ رسالت کے منتقل کرنے کا ایک ذریعہ تھی۔
- عقیقہ کی رسم بھی رسولِ اکرمؐ نے ادا کی، اور اس طرح اسلام میں اس مبارک رسم یا سنّتِ رسولؐ کا آغاز ہوگیا۔

امام حسن مجتبیٰؑ کی ولادت کا زمانہ وہ تھا جب مسلمان جنگ احد کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اس طرح آپ نے عام بچوں کے اعتبار سے لاشعوری دور میں اور امامت کے اعتبار سے مکمل طور پر شعوری اعتبار سے سب سے پہلے "اصحاب باوفا" کی بے وفائی کا سامنا کیا۔ جہاں رسول اکرمؐ میدان میں تقریباً تنہا کھڑے تھے اور مال غنیمت کے لالچیوں نے انھیں فوج دشمن کے حوالے کرکے اپنی جان بچائی تھی اور انھیں متعدد زخموں کی اذیت بھی برداشت کرنا پڑی تھی اور پھر یہی نقشِ اول آپ کی زندگی کا نقشِ آخر بھی بن گیا۔

- ۳ھ کی جنگ احد کے بعد امام حسنؑ نے ۵ھ میں جنگ احزاب کا مشاہدہ کیا جہاں اصحاب کی یہ کمزوری اور بزدلی دیکھنے میں آئی کہ حضرت علیؑ کی تلوار اور ان کی جرأت شیرانہ نہ ہوتی تو رسول اکرمؐ کی زندگی کا خاتمہ ہوجاتا اور کلِ کفر کل اسلام پہ غالب آجاتا۔
- ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی اور اس میں اصحاب کا یہ طرز عمل دیکھنے میں آیا کہ یہ پہلے صلح کے لیے آمادہ ہوجاتے ہیں کہ اس طرح جان بچنے کا راستہ نکل آتا ہے اور اس کے بعد صاحب منصب کے منصب میں بھی شک کرنے لگتے ہیں۔ یہ بھی امام حسنؑ کی زندگی کا ایک المیہ تھا جس سے آپ کو خود اپنے دور میں بھی دوچار ہونا پڑا۔
- ۷ھ میں جنگ خیبر ہوئی۔ وہاں بھی یہ منظر سامنے آیا کہ حضرت علیؑ کی شجاعت کا سہارا نہ ہوتا تو تاریخ اسلام میں فرار کے علاوہ کوئی داستان نہ ہوتی اور یہودی ہمیشہ کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے سر پر سوار ہوجاتے۔
- ۸ھ میں فتح مکہ کا منظر سامنے آیا جہاں مصلحتاً ابوسفیان اور معاویہ نے اسلام قبول کرلیا اور امام حسنؑ نے منافقین کا بھی ایک مجمع دیکھ لیا۔
- ۹ھ میں اسلام کے صداقت کے معرکہ میں پہلے پہل امام حسنؑ نے براہ راست شرکت کی اور سب سے آگے آگے رہے۔ یہ معرکہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان تھا، جسے مباہلہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ امام حسنؑ کمسنی کی بنا پر رسول اکرمؐ کی انگلی پکڑ کر چل رہے تھے یا رسول اکرمؐ قوم کو سمجھا رہے تھے کہ آج میں اسے سہارا دے رہا ہوں کل یہ میرے دین اسلام کو سہارا دے گا۔
- ۱۰ھ میں رسول اکرمؐ نے آخری حج فرمایا جس کی واپسی پر مقام غدیر میں حضرت علیؑ کی مولائیت

کا اعلان کیا اور صحابہ کرام نے بشمول حضرت عمر اس مولائیت کی مبارکباد پیش کی اور امام حسنؑ نے ظاہرداری کی ایک نئی رسم کا مشاہدہ کیا۔

● سنہ ۱۱ھ میں ۲۸ صفر کو رسول اکرمؐ نے انتقال فرمایا اور امام حسنؑ اپنی زندگی کے پہلے عظیم حادثے سے دوچار ہوئے جس کے بعد یہ منظر بھی دیکھنے میں آیا کہ لاکھوں صحابہ کا پیغمبرؐ بستر مرگ پر ہے اور کوئی غسل و کفن میں حاضری دینے والا نہیں ہے اور جنازہ میں مخصوص افراد کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور اس طرح امام حسنؑ نے زندگی میں چاہنے والوں کے برتاؤ کے ساتھ مرنے کے بعد بھی "مخلصین" کا سلوک دیکھ لیا۔

اسی سنہ ۱۱ھ میں رسول اکرمؐ کے انتقال کے ۷۵ یا ۹۵ دن کے بعد مادر گرامی کی شہادت کا المیہ برداشت کیا۔ جہاں حق فدک سے محرومی، دروازہ پر آگ کے شعلے، پہلو پر دروازہ گرنے اور محسن کی شہادت کا منظر بھی دیکھا اور بجز صبر کوئی اقدام نہ کر سکے کہ ذمہ دار مذہب حضرت علیؑ موجود تھے اور اقدامات کے بارے میں انھیں کو فیصلہ کرنا تھا اور اس طرح امام حسنؑ نے سخت ترین حالات میں بھی صبر و سکوت کی پالیسی کا مشاہدہ کیا جس کا حوصلہ انھیں قدرت نے روز اول ہی امامت کے منصب کے ساتھ عطا کر دیا تھا۔

● اس سات سال کے وقفہ میں امام حسنؑ کے مختلف کارنامے دیکھنے میں آئے اور ان کے مختلف فضائل و کمالات کا اظہار ہوتا رہا، مثال کے طور پر:

ا۔ آپ رسول اکرمؐ کے موعظہ کی ترجمانی صدیقہ طاہرہؑ سے کیا کرتے تھے اور ایک دن حضرت علیؑ بھی پس پردہ اس ترجمانی کے سننے میں شریک ہوئے تو امام حسنؑ کے بیان میں فرق آگیا اور عرض کرنے لگے کہ مادر گرامی آج زبان میں وہ روانی نہیں ہے جو پہلے تھی ایسا لگتا ہے کہ کوئی سردار مجھے دیکھ رہا ہے۔

ب۔ رسول اکرمؐ کے سامنے صدقہ کے خرمے رکھے تھے، امام حسنؑ کی نظر پڑ گئی تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ "بیٹا کیا تمھیں نہیں معلوم ہے کہ صدقہ ہم اہلبیتؑ پر حرام ہے" جس سے علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ استنباط کیا ہے کہ امام حسنؑ آغوش مادر سے لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

واضح رہے کہ اس روایت میں خرمہ کے منھ میں رکھ لینے کا بھی ذکر ہے جو شانِ امامت کے بجائے شان واضعین حدیث کے لیے زیادہ سازگار ہے۔

ج۔ بعض روایات کی بنا پر آپ سجدہ کی حالت میں پشت رسولؐ پر آگئے تو آپ نے سجدہ کو طول دیدیا اور پشت سے اتارنا گوارا نہ کیا۔

د۔ بعض روایات کی بنا پر آپ مسجد میں آکر گر پڑے تو رسول اکرمؐ نے خطبہ کو قطع کر کے منبر سے اتر کر آپ کو اٹھا لیا اور فرمایا کہ یہ میرا فرزند سید ہے۔

ہ۔ اسی مختصر سی عمر میں رسول اکرمؐ نے آپ کی سیادت و سرداری کا بھی اعلان کیا، آپ کو جوانان جنت کا سردار بھی قرار دیا، اور آپ کو لفظ امام سے بھی یاد کیا اور آپ کو اپنا ایک جزو بھی قرار دیا۔

و۔ آپ جس طرح میدان مباہلہ میں سب سے آگے رکھے گئے تھے اسی طرح زیر کساء یمانی جمع ہونے والے افراد میں بھی آپ سب سے پہلے نانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جس کے بعد خدائے کریم نے اہلبیتؑ کی عصمت و طہارت کا اعلان فرمایا تھا۔

ز۔ آپ کو مباہلہ کے میدان میں رسول اکرمؐ نے اپنی رسالت و صداقت کے گواہ کے طور پر پیش کیا تو صدیقہ طاہرہؑ نے مسئلہ فدک میں اپنے والد محترم کی طرف سے فدک کے ہبہ ہونے کی گواہی میں پیش کیا جب کہ فدک کے ہبہ کے موقع پر آپ کی عمر بہت سے بہت چار برس کی ہو گی لیکن واضح سی بات ہے کہ جو شخص چھ برس کی عمر میں رسالت کی گواہی دے سکتا ہے وہ چار برس کی عمر میں ہبہ کا گواہ کیوں نہیں ہو سکتا اور اس کی گواہی کا متحمل کیوں نہیں ہو سکتا ہے۔

ح۔ اسی زمانے میں آپ نے بروایت صواعق محرقہ حاکم وقت ابوبکر کو منبر پر دیکھ کر ٹوک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ میرے باپ کے منبر سے اتر آ اور اپنے باپ کا منبر تلاش کر۔ اس طرح اپنے فرزند رسولؐ یا اپنے پدر بزرگوار کے صاحب منبر ہونے کا اعلان کر دیا تھا جس کی جرأت عام انسانوں اور بالخصوص بچوں کے لیے ناممکن ہے۔

ط۔ اسی زمانے میں بروایت اسد الغابہ آپ رسول اکرمؐ کے کاندھے پر تھے کہ کسی صحابی نے مبارکباد دی کہ کیا اچھی سواری ہے؟ تو رسول اکرمؐ نے ٹوک کر فرمایا یہ کہو کہ کیا اچھے سوار ہیں۔ اور اس طرح صحابی پر یہ واضح کر دیا کہ اسلام میں سواری بن جانا شرف نہیں ہے سوار دوشِ رسول بن جانا شرف ہے اور ایں سعادت بزور بازو نیست۔

علم امام حسنؑ

۱۔ بچپنے کا زمانہ تھا۔ ابوبکرؓ کا دورِ خلافت تھا۔ ایک شخص نے خلیفۃ المسلمین سے سوال کیا کہ حالتِ احرام میں شتر مرغ کے انڈے کھا لیے ہیں تو کیا کفارہ دینا ہوگا؟۔ آپ نے مسئلہ کو عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے کر دیا۔ اس نے سنگینیِ مسئلہ کو دیکھ کر اسے حضرت علیؑ کے حوالے کر دیا۔ آپ نے امام حسنؑ کو جواب دینے کا حکم دیا۔ امام حسنؑ نے فرمایا کہ اونٹنیوں پر اتنی ہی مقدار میں اونٹ چھوڑ دیے جائیں اور جو بچے پیدا ہوں انھیں خانۂ خدا کے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ فرزند بعض انڈے خراب بھی تو ہو سکتے ہیں۔ عرض کیا بے شک! لیکن بعض حمل ضائع بھی تو ہو سکتے ہیں۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

۲۔ حضرت علیؑ مقام رحبہ میں تھے ایک شخص نے آکر اظہارِ خلوص کیا۔ فرمایا تو میرا دوست نہیں ہے معاویہ کا جاسوس ہے اور اس سے بادشاہ روم نے چند سوالات کیے ہیں۔ وہ ان کے جوابات سے عاجز تھا تو اس نے تجھے یہاں روانہ کیا ہے اور پھر امام حسنؑ کو جواب دینے کا حکم دیا ۔ سوالات یہ تھے:

(۱) حق و باطل کا فرق کیا ہے؟ (۲) زمین و آسمان کا فاصلہ کیا ہے؟ (۳) مشرق و مغرب کی مسافت کتنی ہے؟ (۴) خنثیٰ کسے کہتے ہیں اور اس کی شناخت کا ذریعہ کیا ہے؟ (۵) وہ دس اشیاء کون سی ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے سے قوی تر ہے؟

آپ نے بالترتیب فرمایا کہ حق و باطل کا فاصلہ چار انگشت کے برابر ہے کہ جسے اپنی آنکھ سے دیکھا وہ حق ہے اور جسے صرف سُنا ہے وہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ زمین و آسمان کا فاصلہ بقدر آہِ مظلوم ہے کہ اس فاصلہ کو وہی طے کر سکتی ہے اور بس۔ مشرق و مغرب کا بُعد بقدر سیرِ آفتاب ہے کہ وہ ایک دن میں یہ فاصلہ طے کر لیتا ہے۔ خنثیٰ اس انسان کو کہتے ہیں جس کے مرد و عورت ہونے کا معاملہ مشتبہ ہو۔ اس کا پہلا حل یہ ہے کہ جوانی میں اعضاء و جوارح کی ساخت دیکھی جائے۔ وہ بھی غیر واضح ہو تو پھر پیشاب کرنے کا انداز دیکھ کر اس کے مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے ۔ دس اشیاء میں ایک سخت شے پتھر ہے جس سے شدید تر وہ لوہا ہے جو اسے توڑ دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ آگ ہے جو لے پگھلا دیتی ہے اور اس سے قوی تر وہ پانی ہے جو اسے بجھا دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ بادل ہے جو اسے اٹھائے پھرتا ہے اور اس سے طاقتور وہ ہوا ہے جس کے کاندھوں پہ یہ بادل رہتا ہے اور اس سے قوی تر وہ فرشتہ ہے جو ہَوا کو حرکت دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ فرشتۂ موت ہے جو اسے بھی موت دے گا اور اس سے قوی تر وہ موت ہے جس سے وہ بھی نہ بچ سکے گا اور اس سے قوی تر وہ حکمِ خدا ہے جو موت پر بھی حکمرانی کرتا ہے۔

امام حسنؑ کے ان جوابات میں عظیم ترین علمی، سیاسی اور اجتماعی نکات پائے جاتے ہیں جن میں آپ نے ہر جواب سے معاویہ کو ایک اہم مسئلہ کی طرف متوجہ کرنا چاہا ہے تاکہ وہ ہدایت یافتہ نہ ہو سکے تو کم سے کم اپنی طرف سے اتمامِ حجت کا فریضہ ادا ہو جائے۔

مثال کے طور پر حق و باطل کے فاصلہ میں سماعت اور بصارت کا حوالہ دے کر اس امر کو واضح کرنا چاہا ہے کہ ہمارے پاس جو سیرتِ رسولؐ ہے وہ ہمارے مشاہدہ کی بنیاد پر ہے اور تیرے پاس جو سیرت ہے وہ صرف سُنی سُنائی ہے، اور سُنی سُنائی کا اعتبار مشاہدہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہوتا ہے، لہذا اصل ہمارا دین اور ہمارا مذہب ہے۔

زمین و آسمان کے فاصلہ میں آہِ مظلوم کا حوالہ دے کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ آہِ مظلوم ظالموں کے کانوں تک پہونچے یا نہ پہونچے آسمان اور عرشِ خدا تک بہر حال پہونچ جاتی ہے۔

قوی ترین اور شدید ترین اشیاء کی ترتیب و تدریج سے اس امر کا اعلان کیا ہے کہ تیرے اختیار میں صرف لوہا، پتھر اور آگ یا پانی ہے اور میرے اختیار میں وہ امرِ خدا ہے جو ہر صاحبِ امر کے اختیار میں رہتا ہے اور جس سے زیادہ قوی تر کوئی شے نہیں ہے لہذا ایسے صاحبِ اختیار کو مجبور سمجھ کر اس کی طاقت سے مقابلہ کرنا جہالت، سفاہت اور حماقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

۳۔ بادشاہ روم نے حضرت علیؑ اور معاویہ کے اختلافات کا ذکر سنا تو چاہا کہ دونوں کے نمائندوں کو بُلا کر صورتِ حال کا اندازہ کرے۔ چنانچہ اس نے فریقین کے نمائندے طلب کیے۔ معاویہ نے یزید کو بھیجا اور امیرالمومنینؑ نے امام حسنؑ کو۔ یزید نے بادشاہ روم کی دست بوسی کی اور امام حسنؑ نے شکرِ پروردگار ادا کیا۔ اس نے چند تصویریں نکالیں جن کا کوئی شناخت کرنے والا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جناب آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور جناب شعیبؑ کی تصویریں ہیں اور ایک تصویر کو دیکھ کر رو دیے کہ یہ میرے جدِ بزرگوار کی تصویر ہے۔ جس پر بادشاہ روم نے یہ عجیب و غریب سوال کیا کہ وہ کون سی مخلوق ہے جو بغیر ماں باپ اور

نر و مادہ کے پیدا ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ سات مخلوقات ہیں: (۱) جناب آدم (۲) جناب حوا (۳) فدیہ اسماعیل کا دنبہ (۴) جناب صالح کا ناقہ (۵) جناب موسیٰ کا اژدہا (۶) ابلیس (۷) وہ کوا جس نے قابیل کو دفن کا طریقہ سکھایا تھا۔ جس پر بادشاہ روم بیحد خوش ہوا اور اس نے آپ کو تحفہ و تحائف کا نذرانہ پیش کیا۔ (تفسیر علی بن ابراہیم قمیؒ)

اخلاق

امام حسنؑ اخلاق کریمانہ کی اس وسعت کے مالک تھے کہ خُلقِ حسن ایک محاورہ کی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں متعدد واقعات تاریخ میں نقل کیے گئے ہیں:

۱۔ گھر کی خادمہ سے شوربہ کپڑے پر گر گیا تو آپ نے سزا دینے کے بجائے اسے راہِ خدا میں آزاد کر دیا تاکہ اسے کنیز ہونے اور کنیز ہونے کی بنا پر قابلِ تعزیر ہونے کا احساس نہ پیدا ہو۔

۲۔ ایک مردِ شامی نے راستہ روک کر بُرا بھلا کہا تو آپ نے فرمایا کہ اس بات کی ضرورت نہیں ہے، تجھے غذا کی ضرورت ہو تو وہ حاضر ہے۔ لباس کی ضرورت ہو تو وہ حاضر ہے، سواری کی ضرورت ہو تو یہ سواری حاضر ہے۔ وہ اپنی اس حرکت پر بیحد شرمندہ ہوا اور بے ساختہ بول اٹھا کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنے پیغام کو کس منزل پر رکھے گا۔

۳۔ آپ نے متعدد بار سارا مال راہِ خدا میں تقسیم کر دیا اور اپنے لیے کچھ نہ بچایا — تو کہنے والے نے عرض کیا کہ حضور آپ تو سب خرچ کر دیتے ہیں اور بے حساب عطا کرتے ہیں۔ فرمایا میں اپنے مال سے کچھ نہیں کرتا ہوں، خدا مجھے دیتا ہے میں غربا کو دیتا ہوں، خدا دینا بند کر دے گا تو میں بھی بند کر دوں گا۔ لیکن میں بند کر کے خدا کی عطا پر بے اعتمادی کا اظہار نہیں کر سکتا (نور الابصار)۔ اپنے کمال کی تعریف کو عطائے پروردگار کی طرف موڑ دینا کمالِ شرافت اور معراجِ بندگی کی دلیل ہے جو اہلِ نفسانیت کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔

۴۔ آپ کا دسترخوان ایک شہرتِ عام رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات امیرالمومنینؑ کے پاس سائل آتے تھے تو فرماتے تھے کہ سوکھی روٹی یہاں حاضر ہے اور اس سے بہتر غذا حسنؑ کے دسترخوان پر ملے گی کہ میں اس وقت امیرِ کائنات ہوں اور میری ذمہ داریاں بالفعل ہیں حسنؑ پر ان

ذمہ داریوں کا بار میرے بعد پڑے گا تو ان کا طرزِ عمل بھی ایسا ہوگا۔

۵۔ حاکمِ شام نے مدینہ میں اپنی سخاوت کا مظاہرہ کیا اور سارا مال تقسیم کر کے امام حسنؑ کو طلب کیا اور آپ دربار میں گئے تو اتنا ہی مال طلب کر کے آپ کے حوالے کر دیا کہ آپ فرزندِ رسولؐ ہیں آپ کا حق سب سے زیادہ ہے۔ آپ نے مال کو دیکھ لیا اور چلنے لگے تو معاویہ کے نوکر نے آپ کی جوتیاں سیدھی کر دیں۔ آپ نے سارا مال اسے عطا کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ تیری نظر میں میرا مرتبہ تمام قوم سے بالاتر ہے یہ تیرا اعترافِ حق ہے لیکن میں اتنے مال کا حقدار تیرے نوکر کو سمجھتا ہوں، میرے غلاموں کے لیے تو اس مالِ دنیا کی کوئی قیمت نہیں ہے، ان کے لیے تو خدا نے آخرت میں نعماتِ جنت کا انتظام کیا ہے اور مجھے سردارِ جوانانِ جنت بنایا ہے۔

آپ کا فلسفۂ زہد و قناعت و تسلیم و رضا یہ تھا کہ جب آپ کے سامنے جناب ابوذرؓ کا ذکر کیا گیا کہ وہ تونگری پر ناداری کو، اور صحت پر بیماری کو ترجیح دیا کرتے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ خدا ان پر رحمت نازل کرے۔ اس سے بہتر یہ تھا کہ انسان قضا و قدرِ الٰہی پر توکل کرے اور وہ جس حال میں رکھے اس کو پسند کرے اور اسی کو ترجیح دیتا رہے اور اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کرے۔ اپنے فیصلوں کو اپنے مالک کے حوالے کر دینا کمالِ بندگی ہے۔ وماتشاؤن الا أن یشاء اللہ۔

شجاعت

پیغمبرِ اسلامؐ کے بعد مولائے کائنات کی زندگی کے تقریباً ۲۵ سال اس سکوت کے عالم میں گذرے کہ آپ نے ملتِ اسلامیہ کے مسائل بھی حل کیے، حکومتوں کو اسلامی قوانین کے مطابق مشورے بھی دیے، اپنے حق کا مسلسل اظہار بھی کیا لیکن نہ حکومت کی ذمہ داریاں آپ کے سپرد کی گئیں اور نہ آپ نے اس سلسلہ میں کوئی مسلح قدم اٹھایا۔ اور ظاہر ہے کہ جب مولائے کائنات کی زندگی کا ایک طویل وقفہ تقریباً تاریخ کے پردۂ راز میں رہ گیا تو امام حسنؑ کے کارہائے نمایاں کا کیا اظہار ہو سکتا ہے۔ صرف چند علمی مسائل کے سلسلہ میں آپ کا ذکر ضرور ملتا ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی واضح تذکرہ تاریخ میں نہیں ہے۔ البتہ قتلِ عثمان کے موقع پر جب محاصرہ شدہ لوگوں کو پانی فراہم کرنے کا سوال پیدا ہوا تو امام حسنؑ ہی نے یہ خدمت انجام دی تھی کہ بنی امیہ کو اس احسان کا بھی احساس رہے اور پھر امیرالمومنینؑ کے خلیفۃ المسلمین

ہونے کے بعد جب جمل و صفین کے معرکے پیش آئے تو ان میں امام حسنؑ نے شرکت بھی کی اور بعض اوقات پرچم اسلام بھی آپ کے ہاتھوں میں رہا۔ خود اپنی صلح کے بعد جب معاویہ کی شرارتیں تمام نہیں ہوئیں تو آپ حکم خدا کا سہارا لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے، اگرچہ آپ نے قوم کی سُستی اور بیوفائی کا مشاہدہ کر لیا تھا اور اسی بنیاد پر صلح پر آمادہ ہو گئے۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہ کو مدینہ واپس جانے پر آپ ہی کی ہیبت نے آمادہ کیا تھا ورنہ ان کے حوصلے شکست کے بعد بھی بلند تھے اور پھر جنگ صفین کے سلسلہ میں جب کوفہ کے حالات خراب ہوئے تو امیرالمومنینؑ نے آپ ہی کو عمار یاسر کے ہمراہ روانہ کیا تھا کہ کوفہ کی فضا کو ساز گار بنائیں اور آپ نے ایک تقریر سے کوفہ کے حالات کا رُخ تبدیل کر دیا تھا اور تقریباً ۹ ½ ہزار کا لشکر تیار کر لیا تھا۔

عبادت

عبادت آل محمدؑ کا شعار اور ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان سے بہتر عبادت گزار کائنات میں نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ان کی ایک ایک ضربت عبادت ثقلین پر بھاری ہو جاتی ہے۔ امام حسنؑ بھی انھیں آل محمدؑ کی ایک فرد ہیں جنھوں نے خوفِ خدا میں بے پناہ گریہ کیا۔ (محاضرات راغب)

- کبھی وقت وضو آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ (ربیع الابرار زمخشری)
- کبھی راہِ خدا میں اپنا سارا مال بار بار تقسیم کر دیا (حلیۃ الاولیاء، اسد الغابہ تذکرہ)
- کبھی ۲۵ حج پیدل کیے جب کہ سواریاں آگے آگے چل رہی تھیں۔ (مستدرک، سنن کبریٰ)

حد یہ ہے کہ جب مسجد کوفہ میں امیرالمومنینؑ کا سر اقدس شگافتہ ہو گیا اور آپ خون میں نہائے ہوئے مصلیٰ پر بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے امام حسنؑ ہی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا اور آپ نے ایسے سنگین حالات میں بھی نہایت درجہ خشوع و خضوع اور اخلاص قلب کے ساتھ نماز پڑھائی تھی کہ ذہن اقدس پر حالات کی سنگینی اور سختی کا کوئی اثر نہیں تھا، اور توجہ الی اللہ کے بعد دنیا کا ہر خیال ذہن اقدس سے نکل گیا تھا۔

شہادت

معاویہ نے جب یہ دیکھ لیا کہ تخت و تاج پر قبضہ کر لینے کے بعد بھی وہ مقصد حاصل نہیں ہوا جو اس

کی نگاہ میں اہم ترین مقصد تھا اور عالم اسلام نے اسے ابوسفیان کے ایک فرزند ہی کی حیثیت سے دیکھا ہے تو اس نے آپ کی زندگی کے خاتمہ کا ارادہ کر لیا۔ متعدد بار آپ کو زہر دیا گیا لیکن قضا و قدر نے بچا لیا۔ یہاں تک کہ مروان کے ذریعہ آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کے ہاتھوں زہر دلوایا گیا اور اسے ایک لاکھ درہم نقد کے ساتھ اس وعدہ سے نوازا گیا کہ اس کے احساس بیوگی کو زوجیت یزید سے ختم کر دیا جائے گا چنانچہ اس ظالمہ نے زہر دے دیا اور آپ کے جگر کے بہتّر ٹکڑے ہو گئے لیکن اس کے بعد اس ظالمہ کا بھی وہی انجام ہوا جو دنیا کے ہر ظالم کا جلد یا بدیر ہوا کرتا ہے اور معاویہ نے اسے دریا میں پھینکوا دیا کہ جب تو حسنؑ جیسے انسان سے وفا نہیں کر سکتی ہے تو یزید سے کیا وفا کرے گی اور اس طرح جعدہ کی زندگی کے ساتھ زوجیت کی عظمت بھی غرقِ دریا ہو گئی۔

معاویہ کے زہر دلوانے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے خبر شہادت امام حسنؑ سننے کے بعد سجدۂ شکر ادا کیا اور اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہی کہ لوگ دریافت حال پر مجبور ہو گئے اور اس طرح انھیں امام حسنؑ کی خبر شہادت بھی مل گئی۔

معاویہ کے بعد بنی امیہ کا نمبر آیا کہ جب امام حسنؑ کا جنازہ روضۂ رسولؐ کی طرف چلا تو بنی امیہ نے مزاحمت کی اور ایک مرتبہ پھر حضرت عائشہ میدان میں آ گئیں اس مرتبہ آپ خچر پر سوار تھیں اور فرمایا کہ حسنؑ کا جنازہ پہلوئے رسولؐ میں دفن نہیں ہو سکتا اور اس اشتعال انگیزی کا اثر یہ ہوا کہ بنی امیہ نے جنازہ پر تیر اندازی شروع کر دی اور بنی ہاشم امام حسنؑ کے جنازہ کو واپس لا کر بقیع میں دفن کرنے پر مجبور ہو گئے اور امام حسینؑ نے کسی طرح کی مزاحمت پسند نہیں کی۔ امت کو اس بات کی خوشی ضرور ہوئی کہ پہلوئے رسولؐ میں دفن ہونے کا شرف اہلبیتؑ کو نہیں حاصل ہو سکا، وہ اس بات سے غافل رہ گئی کہ اہلبیتؑ کی جگہ روز اول سے قلب رسولؐ میں ہے، انھیں پیغمبر اسلامؐ نے اپنا جزء اور ٹکڑا اقرار دیا ہے وہ اپنی عظمت میں مسکن اور مدفن کے محتاج نہیں ہیں۔

ازواج

تاریخ کی نشان دہی کی بنیاد پر امام حسنؑ کی پوری زندگی میں مختلف اوقات میں صرف نو ازواج کا پتہ ملتا ہے جن کے اسماء یہ ہیں: ام فروہ۔ خولہ بنت منظور۔ ام بشیر ثقفیہ۔ رملہ۔ ام الحسن۔ بنت امرؤالقیس۔

جعدہ، ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمی۔

لیکن بنی امیہ کے نمک خواروں نے امام حسنؑ کے کردار کو مجروح بنانے کے لیے افسانہ سازی کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا، اور جس طرح امیرالمومنینؑ کے خلاف ابوجہل کی بیٹی سے عقد کرنے کا شاخسانہ تیار کیا تھا اسی طرح امام حسنؑ کے خلاف تعدد ازدواج کی داستان سازی کا مقابلہ شروع ہوگیا۔

ابن ابی الحدید نے علی بن عبداللہ المدائنی کے حوالے سے ستر ازدواج کا پتہ لگایا۔

اور شبلنجی نے نورالابصار میں نوّے ازدواج کا ذکر کیا۔

قوت القلوب مکی میں یہ تعداد ۲۵۰، اور ۳۰۰ تک پہونچا دی گئی اور اس طرح اموی نمک خواروں نے حق نمک ادا کردیا۔ یہ اور بات ہے کہ میزان الاعتدال ذہبی کے بقول مدائنی امام مسلم کی نظر میں ناقابل روایت ہے اور نام کے اعتبار سے اس نے صرف دس ازدواج کا نام بتایا ہے۔

شبلنجی اور قوت القلوب کی روایات میں تو راوی کا بھی پتہ نہیں ہے کہ کس نے اس قدر شادیوں میں شرکت کی اور اس کا نکاح نامہ مرتب کر کے رکھا ہے تاکہ صحیح تعداد محفوظ رہے اور کمی یا زیادتی نہ ہونے پائے۔

مدائنی کا حافظہ بھی ازدواج کے اعتبار سے تو قوی تھا کہ اس نے ستر کا عدد یاد رکھا لیکن ازدواج کے ناموں کے اعتبار سے دس سے زیادہ کا پتہ نہ دے سکا اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد

ازدواج کی اس تعداد کے بارے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں چار سے زیادہ شادیاں جائز نہیں ہیں تو اتنی بڑی تعداد کس طرح جمع ہوگئی۔ کیا ازدواج امام حسنؑ اور ملک الموت میں کوئی خاص اختلاف تھا کہ جس دن امام حسنؑ عقد کریں دوسرے دن عورت کا انتقال ہوجائے کہ سن بلوغ کے بعد سے امام حسنؑ کی کل زندگی ۳۲ برس کے قریب ہوتی ہے اور امیرالمومنینؑ کے دور حیات میں ۲۵ سال کی خانہ نشینی کے دوران لوگ آل محمدؐ کی طرف رخ کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے بیٹیاں دینا اور شادی کرنا تو بڑی بات ہے۔ امیرالمومنینؑ کا دور حکومت ۳۵ھ سے شروع ہوتا ہے اور امام حسنؑ کی شہادت ۵۰ھ میں ہوجاتی ہے، اس طرح کل زمانہ پندرہ ۱۵ سال کا ہوتا ہے جس میں ۷۰ کے اعتبار سے ہر سال ۵ شادیاں اور ۳۰۰ کے اعتبار سے ہر مہینہ تقریباً دو شادیاں ہوتی ہیں۔

مورخین نے اس مسئلہ کو وفات کے بجائے طلاق کے ذریعہ حل کیا ہے اور یہ روایت بھی تیار کی ہے کہ امیرالمومنینؑ نے مسجد میں آکر اعلان کیا کہ حسنؑ بہت زیادہ طلاق دیتے ہیں لہذا تم لوگ انھیں اپنی بیٹیاں مت دینا تو قوم نے جواب دیا کہ ضرور اپنی بیٹیاں ان کے حوالے کریں گے چاہے وہ جس قدر بھی طلاق دیتے رہیں۔

اس روایت کے مضمرات پر غور کیا جائے تو بنی امیہ کی خواہش کے عین برخلاف امام حسنؑ کے کردار کی بلندی کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے حسب ذیل اسباب ہیں:

۱۔ امام حسنؑ کسی دولت مند اور صاحب ثروت انسان کا نام نہیں ہے۔ ان کے پاس کوئی اتنا عظیم سرمایہ نہیں ہے کہ اس قدر عورتوں کا مہر ادا کرسکیں اور سب کے نفقہ کا انتظام کرسکیں۔ اس بنیاد پر تو خود عورتوں کی طرف سے طلاق کا مطالبہ ہونا چاہیے تھا نہ یہ کہ امام حسنؑ طلاق دیں اور وہ شادی کرنے پر بضد رہیں۔

۲۔ کسی شخص کے بارے میں یہ بات مشہور بھی ہوجائے کہ اس نے دو تین بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو کوئی شخص اپنی بیٹی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔ یہ امام حسنؑ کا کمال کردار ہے کہ اس قدر طلاقوں کے بعد بھی شادی کے امکانات باقی رہ گئے اور کوئی زحمت نہیں پیدا ہوئی۔

۳۔ امیرالمومنینؑ کے منع کرنے کے باوجود لوگوں کا بیٹیاں دینا اس امر کی علامت ہے کہ لوگوں کو امام حسنؑ کے کردار پر مولائے کائناتؑ کے ارشاد گرامی سے بھی زیادہ اعتبار تھا اور یہ بات خلاف واقعہ ہونے کے باوجود کردار امام حسنؑ کی ایک واضح دلیل ہے۔

۴۔ مورخین نے ازدواج کی تعداد کے ذریعہ امام حسنؑ پر جنسی زندگی کا الزام تو لگانا چاہا ہے لیکن کسی مورخ کی عدالت میں مہر یا نفقہ کا مقدمہ درج نہیں ہوا ہے اور یہ علامت ہے کہ امام حسنؑ نے اس قدر شادیوں کے بعد بھی حقوق میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور ایسے شخص کو شادیاں کرنے کا یقیناً حق ہے۔

۵۔ عام طور سے جنسی الزام خود اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ انسان کے کردار پر لوگوں کو اعتماد ہے ورنہ ایک عیاش اور ہوس پرست انسان پر کوئی بھی الزام لگا دیا جائے اس پر جنسی الزام نہیں لگایا جاتا ہے کہ یہ اس کی افتاد طبع کے مطابق ہے اور ایسے مسائل الزام تراشی میں کام نہیں آتے ہیں۔ تارک صلوٰۃ پر نماز ترک کرنے کا الزام کارگر نہیں ہوتا۔ امام جماعت پر یہ الزام اثر انداز ہوسکتا ہے۔

اور پھران تمام باتوں کے بعد مسئلہ صرف یہ ہے کہ اگر اسلام جنسی زندگی کا مخالف تھا تو اسے اس طرح کی اجازت ہی نہیں دینا چاہیے تھی اور روز اول ہی اعلان کر دینا چاہیے تھا کہ چار پانچ شادیوں کے بعد عقد کرنے کا حق نہیں ہے زوجہ زندہ رہے یا مر جائے ــ لیکن اگر اسلام نے اجازت دی ہے تو اسلام کے جائز کو حرام بنانے کا کام بنی امیہ ہی انجام دے سکتے ہیں کوئی شریف مسلمان یہ کام نہیں کرسکتا ہے۔

امام حسنؑ ــ بانیٔ اسلام کی نگاہ میں

تاریخ کے جن مسلمات میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے ان میں سے ایک عظمت آل محمدؐ کا مسئلہ بھی ہے۔ ان کے منصب اور عہدہ کا اقرار کیا جائے یا نہ کیا جائے، ان کے تعلیمات اور احکام کو تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے ــ ان کے فرامین اور ارشادات پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے یہ بہرحال مسلم ہے کہ یہ حضرات ساری امت سے بالاتر درجہ کے مالک تھے اور مالک کائنات نے انھیں غیر معمولی فضائل و کمالات کا حامل بنایا تھا۔ ان کا آغاز طیب و طاہر تھا، ان کا انجام پاک و پاکیزہ تھا۔ ان کے کمالات شہرۂ آفاق تھے اور ان کے فضائل ناقابلِ انکار تھے۔ زمانہ نے انھیں منصب دار مانا ہو یا نہ مانا ہو، ان کے فضائل کا اقرار ضرور کیا ہے اور دشمن نے بھی انھیں قتل کیا ہے تو ان کے مناقب و کمالات کا اعتراف کرنے کے بعد، اور قاتلوں نے بھی انعامات کے مطالبہ میں یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ کسی معمولی آدمی کو نہیں مارا ہے بلکہ ایک عظیم صاحب کمالات و کرامات کو قتل کیا ہے۔

عظمتِ آل محمدؐ کا انکار درحقیقت ارشادات مرسلِ اعظمؐ کا انکار ہے۔ "عظمت آل محمدؐ کا انکار آیاتِ قرآنی، تاریخی حقائق اور عقائدی مسلمات کا انکار ہے ــــ "عظمت آل محمدؐ کا انکار روز روشن اور آفتاب نصف النہار کا انکار ہے اور یہ کام شپرہ چشم کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا ہے۔

امام حسنؑ انھیں آل محمدؐ کی ایک نمایاں فرد ہیں جنھیں تطہیر کی منزل میں، مباہلہ کے میدان میں، بازار میں دوشِ پیغمبرؐ پر، مسجد میں پُشت رسولؐ پر، منبر پر آغوشِ رسالت میں بارہا دیکھا گیا ہے اور جن کی عظمت و جلالت کے اظہار میں سرکارِ رسالتؐ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے اور تاریخ نے دشمن کے بارے میں بھی جو روایت تیار کی ہے اس میں بھی فضیلت امام حسنؑ کا انکار ممکن نہیں ہو سکا ہے۔

سیرت امام حسنؑ کے خاکہ کی مناسبت سے سرکار دو عالمؐ کے ان چند اقوال و اعمال کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن سے امام حسنؑ کی عظمت و جلالت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے، اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امام حسنؑ سے دشمنی کرنے والا اور انھیں زہر دینے والا کسی قیمت پر مسلمان نہیں کہا جاسکتا ہے۔

روایات علماء اسلام کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور ان کا تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ انسان جس کتاب کو بھی اٹھا کر دیکھ لے گا امام حسنؑ کے فضائل کا ایک دفتر نظر آجائے گا۔

یہاں ابتدا میں صرف ان روایات کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن میں سرکار دو عالمؐ نے امام حسنؑ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے اور اس کے بعد ان روایات کا ذکر کیا جائے گا جن میں امام حسنؑ کی محبت کو اپنی محبت کا لازمہ قرار دیا ہے کہ اس کے بغیر پیغمبرؐ کی محبت کا تصور بھی بے معنی اور کھوکھلا ہو کر رہ جاتا ہے۔

● ۱۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند ج ۴ ص ۹۳ پر معاویہ سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے رسول اکرمؐ کو حسنؑ کی زبان اور ان کے لبوں کو چوستے دیکھا ہے، اور خدا ایسی زبان یا ایسے لبوں پر ہرگز عذاب نہیں کرسکتا ہے جنھیں رسول اکرمؐ نے چوسا ہو۔

اس حدیث کو محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ ص ۱۲۶ میں، علامہ خوارزمی نے مقتل الحسین ص ۱۰۵ میں، علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲ میں، علامہ ذہبی ہی نے تاریخ الاسلام ج ۲ ص ۲۵۲ میں، ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۳۶ میں، مُلّا علی متقی نے منتخب کنز العمال بحاشیہ مسند ج ۵ ص ۱۰۳ میں، اور علامہ باکثیر حضرمی نے وسیلۃ المآل ص ۱۶۸ میں نقل کیا ہے۔

اب سوال صرف یہ ہے کہ جس شخص نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اس نے خود اس کے مفہوم اور معنی پر کیوں غور نہیں کیا اور خیال کیوں نہیں کیا کہ اگر امام حسنؑ کی عظمت و جلالت یہ ہے تو انھیں زہر دلوانے والے کے عذاب الٰہی سے بچنے کا راستہ کیا ہوگا ؟ اور یہی دراصل میرے اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ عظمت امام حسنؑ کا اقرار ان کے قاتلوں نے بھی کیا ہے، اور یہ بات اس قدر واضح تھی کہ کسی سے اس کا انکار ممکن نہیں ہوسکا ہے۔

۲۔ ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اکرمؐ اپنی زبان امام حسنؑ کے دہن میں دے دیا کرتے تھے اور بچہ ان کی زبان کو چوسا کرتا تھا۔

اس روایت کو حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حبّان اصفہانی نے "اخلاق النبی

و آدابہ" کے ص ۹۰ پر، ابن اثیر نے النہایۃ ج ۱ ص ۱۲۱ پر، ابن حجر نے صواعق محرقہ ص ۱۳۶ پر، سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۷۳ پر، علامہ محمد طاہر صدیقی ہندی نے مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۱۲۴ پر، علامہ امرتسری نے ارجح المطالب ص ۱۶۹ پر درج کیا ہے ـــ اور اسے ہر اس مسلمان کو تسلیم کرنا ہوگا جو ابوہریرہ کی صداقت پر اعتماد رکھتا ہے اور ان کے بیانات کو اسلامی احکام اور مسائل کے بارے میں سند جانتا ہے۔

● ۳۔ ابوہریرہ ہی سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے امام حسنؑ کو دیکھ کر فرمایا کہ میں نے رسول اکرمؐ کو آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے لہٰذا آپ اپنا پیراہن بلند کریں کہ میں شکم اقدس کو بوسہ دے سکوں۔

اس روایت کو علامہ حاکم نیشاپوری نے مستدرک ج ۳ ص ۱۶۸ پر نقل کیا ہے اور اسے بخاری اور مسلم کے شرائط کی بنیاد پر صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ طبرانی نے معجم کبیر ص ۱۳۰، ابو بکر شافعی نے تاریخ بغداد ج ۹ ص ۹۵، خوارزمی نے مقتل الحسین ص ۱۰۰، محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ ص ۱۲۶، ابن منظور مصری نے لسان العرب ج ۹ ص ۳۵۴، علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۱۶۸، اور سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۷۲، نور الدین ہیثمی نے مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۷۷، علامہ زرندی نے نظم درر السمطین ص ۲۰۰، ملا علی متقی نے منتخب کنز العمال ج ۵ ص ۱۰۲، ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۳۶، علامہ کاندھلوی نے حیاۃ الصحابہ ج ۲ ص ۴۳۹، علامہ شعرانی نے کشف الغمہ ج ۱ ص ۸۶، علامہ امرتسری نے ارجح المطالب ص ۲۶۹، علامہ حضرمی نے وسیلۃ المآل ص ۱۶۸ پر نقل کیا ہے اور یہ امام حسنؑ کی جلالت و عظمت اور سرکار دو عالمؐ کی نگاہ میں ان کی محبوبیت کی بہترین دلیل ہے جس کی تمنا بڑے بڑے صحابۂ رسولؐ کر رہے تھے۔

۴۔ عروہ بن زبیر نے اپنے والد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ایک مرد انصاری کے سامنے اپنے فرزند حسنؑ کو گلے لگا کر بوسہ دیا تو اس شخص انصاری نے کہا کہ میں نے تو آج تک اپنے فرزند کو اس طرح پیار نہیں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت سلب کرلی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔؟

اس روایت کو علامہ حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں صحیح قرار دیتے ہوئے درج کیا ہے

جلد ۳ ص ۱۷۰، اور علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۱۷۰ میں بھی درج کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرکارِ دو عالمؐ نے امام حسنؑ سے اظہارِ محبت کو رحمۃ للعالمین ہونے کا لازمہ قرار دیا ہے اور ایسے عمل پر ناگواری کا اظہار کرنے والے کو بے رحم قرار دیا ہے ۔ جو عظمت امام حسنؑ کی بہترین دلیل ہے۔

۵۔ مقدام بن معدی کرب معاویہ کے یہاں حاضر ہوا تو معاویہ نے خبر وفات حسن مجتبیٰؑ سنائی۔ مقدام نے کہا کہ کیا آپ اسے مصیبت سمجھتے ہیں؟ معاویہ نے جواب دیا کہ کیونکر نہ سمجھوں میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ رسول اکرمؐ انھیں اپنی آغوش میں بٹھا کر فرماتے تھے کہ یہ مجھ سے ہے اور حسینؑ، علیؑ سے ہے۔

اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے مسند ج ۴ ص ۱۳۲ میں، علامہ گنجی شافعی نے کفایۃ الطالب ص ۲۶۷ میں، محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ ص ۱۳۳ میں، ابن حجر نے صواعق محرقہ ص ۱۸۹ میں، علامہ طبرانی نے معجم کبیر ص ۱۲۳ میں، علامہ سیوطی نے الجامع الصغیر ص ۱۹ میں، ملا علی متقی نے کنز العمال ج ۱۳ ص ۱۰۰ میں، علامہ مناوی نے کنوز الحقائق ص ۷۰ میں، علامہ بدخشی نے مفتاح النجا ص ۱۱۳ میں، علامہ حضرمی نے وسیلۃ المآل ص ۱۶۵ میں درج کیا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام حسنؑ اور سرکار دو عالمؐ میں کیا رشتہ اور تعلق تھا اور اس کا اعتراف معاویہ کو بھی تھا، والفضل ما شهدت به الأعداء۔

اس مضمون کی اور بھی بے شمار روایات ہیں جن سے سرکار دو عالمؐ کی شدت محبت کا اندازہ ہوتا ہے اور جن کی تفصیلات کے لیے "ملحقات احقاق الحق" مولفہ آیۃ اللہ المرعشی طاب ثراہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد ان روایات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن میں سرکار دو عالمؐ نے امام حسنؑ کی محبت کو اپنی محبت کا معیار اور لازمہ قرار دیا ہے:

۱۔ براء راوی ہیں کہ رسول اکرمؐ حسنؑ کو اپنے کاندھے پر بٹھائے ہوئے فرما رہے تھے کہ جسے مجھ سے محبت کرنا ہے وہ اِس سے محبت کرے۔

اس روایت کو ابو داؤد نے اپنی مسند ص ۹۹ میں، حافظ ابو عبداللہ بخاری نے اپنی

صحیح ج ۵ ص ۲۶ میں، اور الادب المفرد ص ۲۳ میں، امام مسلم نے اپنی صحیح ج ۷ ص ۱۲۹ میں، علامہ ترمذی نے اپنی صحیح ج ۱۳ ص ۹۸ میں، احمد بن حنبل نے مسند ج ۴ ص ۲۹۲ میں، طبرانی نے معجم کبیر ص ۱۳۰ میں، ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۵ میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۳۹ میں، علامہ بیہقی نے سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۲۳۳ میں، علامہ بغوی نے مصابیح السنہ ص ۲۰۵ میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق ج ۴ ص ۲۰۲ میں، ابن اثیر نے اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳ میں، علامہ گنجی نے کفایۃ الطالب ص ۱۹۶ میں، قاضی عیاض نے شفا ج ۲ ص ۲۱ میں، شیخ سلیمان قندوزی نے ینابیع المودۃ ص ۱۷۹ میں، ابن جوزی نے تذکرہ ص ۲۰۲ میں، ذہبی نے تاریخ الاسلام ج ۲ ص ۲۱۷ میں، حضرمی نے وسیلۃ المآل ص ۱۶۷ میں، ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۳۴ میں، عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۲۴۲ میں، سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۷۳ میں، قسطلانی نے ارشاد الساری ج ۶ ص ۱۶۰ میں، ابن حجر نے صواعق محرقہ ص ۱۳۵ میں، بدخشی نے مفتاح النجا ص ۱۱۵ میں، علامہ نبہانی نے الشرف المؤبد ص ۶۰ میں، امرتسری نے ارجح المطالب ص ۲۶۸ میں درج کیا ہے۔

۲۔ ابو جحیفہ راوی ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ میرا یہ فرزند سردار ہے، جو مجھ سے محبت کرے اسے اس سے محبت کرنا چاہیے ۔ (ابونعیم اصفہانی کتاب "اخبار اصبہان" ج ۱ ص ۲۹۱)

۳۔ حضرت علیؑ کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا، جو مجھ سے محبت کرے اسے اِس (حسنؑ) سے محبت کرنا چاہیے۔ (منتخب کنز العمال حاشیہ مسند ۵ ص ۱۰۲)

۴۔ ازد شنوءہ کا ایک شخص راوی ہے کہ سرکارؐ نے فرمایا کہ جو مجھ سے محبت کرے اسے اس سے محبت کرنا چاہیے۔ (تاریخ کبیر بخاری ج ۲ ص ۲۹۱، مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۶، تاریخ ابن عساکر ج ۴ ص ۲۳، مستدرک ج ۳ ص ۱۷۳، اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۴۷، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۷۶، اصابہ ج ۱ ص ۳۲۸، تاریخ الخلفاء ص ۷۳، کنز العمال ج ۱۶ ص ۲۶۱، اسعاف الراغبین ص ۱۹۷)۔

۵۔ انس بن مالک راوی ہیں کہ سرکارؐ نے فرمایا جو اسے اذیت دے گا وہ مجھے اذیت دے گا اور جو مجھے اذیت دینے والا ہے وہ خدا کو اذیت دینے والا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۴، معجم کبیر طبرانی ص ۱۳۲، منتخب کنز العمال حاشیہ مسند ج ۵ ص ۱۰۲، مفتاح النجا ص ۱۱۵،

ارجح المطالب ص ۲۶۹)۔

ان روایات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سرکار دو عالمؐ کی نگاہ میں امام حسنؑ کی عظمت و جلالت کیا ہے، اور امام حسنؑ سے محبت نہ کرنے والے اور انھیں اذیت دینے والے کے بارے میں سرکارؐ کا نظریہ کیا ہے!

رب کریم سے التماس ہے کہ امت اسلامیہ کو توفیق دے کہ جس کا کلمہ پڑھا ہے اسی کے ارشادات و افکار کا اتباع کرے اور اپنے پاس سے محبت اور نفرت کے میزان و معیار نہ تیار کرے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

صلح امام حسنؑ ـــــ محرکات اور مضمرات

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زندگی میں باطل کے پروپگنڈوں کی نقاب کشائی کے اعتبار سے مسئلہ تعدد ازواج اور حقائق فہمی کے اعتبار سے مسئلہ صلح بیحد اہمیت رکھتا ہے مسئلہ تعدد ازواج پر مسلسل بحثوں کے بعد مسئلہ صلح پر قدرے تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔

تمہیدی طور پر یہ بات نظر انداز نہیں ہونی چاہیئے کہ امام حسنؑ کا کردار ان دونوں مسائل میں بالکل رسول اکرمؐ کا کردار ہے کہ آپ کے بارے میں بھی انہی دو طرح کے مسائل کو حربہ بنایا گیا ہے اور کبھی دشمن نے مسئلہ تعدد ازواج کو ہوس رانی کا مورد الزام ٹھہرایا ہے اور کبھی بظاہر دوستوں نے مسئلہ صلح کو نبوت میں تشکیک کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اس طرح نانا اور نواسے کا اتحاد قہری طور پر منظر عام پر آگیا ہے چاہے دشمن اس امر کا اقرار نہ کرنا چاہے۔

صلح امام حسنؑ کے محرکات پر نظر ڈالنے کے لیے اس کے اس پس منظر کا نگاہ میں رکھنا ضروری ہوگا جو اس صلح کی پشت پر کام کر رہا ہے۔ جس کی صورت حال یہ ہے کہ ۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ کو امیر المومنینؑ کی شہادت اور ان کے دفن و کفن کے بعد امام حسنؑ نے مسلمانوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے ایک مختصر مگر انتہائی جامع خطبہ پڑھا:

"أیھا النّاس! آج کی شب اس شخص نے انتقال فرمایا ہے جس پر عمل و کردار کے اعتبار سے نہ پہلے والے سبقت لے گئے ہیں اور نہ بعد والے وہاں تک پہونچ سکتے ہیں۔ وہ مرد میدان، رسول اکرمؐ کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرتا تھا۔ انھیں بچاتا تھا اور جب وہ پرچم دے کر اسے میدان جہاد میں بھیج دیتے تھے تو داہنی طرف جبرئیل اور بائیں طرف میکائیل ہوتے تھے اور اُس وقت تک واپس نہ آتا تھا جب تک دونوں ہاتھوں پر فتح حاصل نہ کر لے۔ ان کا انتقال اس رات میں ہوا ہے جس رات عیسیٰ بن مریم کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور یوشع بن نون کا انتقال ہوا ہے۔

انھوں نے ترکہ میں نہ درہم چھوڑے ہیں اور نہ دینار۔ صرف ۷۰۰ درہم عطایا سے باقی رہ گئے تھے جس سے ایک خادم خریدنے کا ارادہ تھا اور وہ نہ ہو سکا۔

ایھا الناس! جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا ہے وہ پہچان لے کہ میں حسن ابن علیؑ ہوں، فرزند رسول اکرمؐ، فرزند وصی رسولؐ، فرزند بشیر و نذیر اور اس کا فرزند ہوں جو خدا کی طرف دعوت دینے والا اور سراج منیر تھا۔ میرا شمار ان اہلبیتؑ میں ہوتا ہے جن سے خدا نے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور انھیں مکمل طہارت عنایت فرمائی ہے اور ان کی محبت کو اجر رسالت قرار دیا ہے۔ نیکی ہم اہلبیتؑ کی محبت کا نام ہے۔"

اس خطبہ کا تمام ہونا تھا کہ قیس ابن سعد نے عرض کی کہ حضور ہاتھ بڑھائیں، ہم کتاب خدا، سنتِ رسولؐ اور دشمنوں سے جنگ کے نام پر آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بس کتاب خدا اور سنتِ رسولؐ۔ باقی چیزیں اسی میں شامل ہیں اور الگ سے کسی شرط کے اضافہ کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ کتاب و سنت کے ناقص ہونے کی علامت بن جائے۔ جب تم میری اطاعت کے لیے بیعت کر لوگے تو تمھیں میرے دشمن سے جنگ کرنا ہوگی اور میں جس سے صلح کروں گا، اس سے صلح کرنا ہوگی۔ بیعت تمام ہو گئی۔ ۴۰ ہزار افراد نے امام حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور آپ امامت واقعی کے علاوہ خلافت ظاہری کے بھی مالک ہو گئے۔ لیکن اُدھر معاویہ جو جنگ صفین ہی میں اپنی بغاوت کا اعلان کر چکا تھا اور قضیہ تحکیم میں اپنی دانست میں خلافت اسلامیہ بھی حاصل کر چکا تھا اور اپنی مکمل حکومت کی راہ ہموار کرنے کے لیے ابن ملجم کے ذریعہ حضرت علیؑ کو شہید کرا چکا تھا۔ اسے اس امر کی اطلاع ملی کہ عراق کی حکومت پھر اولاد علیؑ کی طرف جا رہی ہے تو فوراً ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور کوفہ پر حملہ کرنے کے لیے ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہو گیا۔ اور امام حسنؑ نے قیس بن سعد کی سرکردگی میں بارہ ہزار کا لشکر معاویہ کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے روانہ کر دیا۔ معاویہ نے اپنی فطری مکاری سے کام لے کر قیس اور امام حسنؑ دونوں کے لشکر میں یہ خبر عام کر دی کہ معاویہ سے صلح ہو گئی ہے اور اب جنگ بلا سبب ہو گئی ہے۔ قیس کے لشکر میں خبر نشر ہوئی کہ امام حسنؑ نے صلح کر لی ہے اور قیس بلا سبب لڑ رہے ہیں، اور امام حسنؑ کے کیمپ میں یہ خبر نشر ہوئی کہ قیس نے صلح کر لی ہے اور امام حسنؑ بلا سبب جنگ کرنا چاہتے ہیں، اور اس طرح لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور تحکیم کے موقع پر حضرت علیؑ کو دین سے

خارج کہنے والوں نے امام حسنؑ پر بھی دین سے منحرف ہو جانے کا الزام لگا دیا اور آخری نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسنؑ کے قدموں تلے سے مصلیٰ تک کھینچ لیا گیا اور آپ کو بے حد اذیت دی گئی، اور جب آپ مدائن جانے لگے تو آپ کو زخمی بھی کر دیا گیا کہ آپ کو تا دیر زیر علاج رہنا پڑا۔

اب امام حسنؑ کے حالات اس موڑ پر تھے کہ:

۱۔ امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد معاویہ کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ اسے تحکیم کو مستحکم کرنے کا موقع مل گیا اور مسلمانوں کو بھی مال و دولت کی طرف جانے کا راستہ مل گیا۔

۲۔ امام حسنؑ کے لشکر میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا، لوگ مسلسل جنگوں سے عاجز آ گئے، مالِ غنیمت کی امیدیں ختم ہو گئیں۔ معاویہ نے رشوت دے کر سرداران لشکر کو بھی خرید لیا اور عبیداللہ بن عباس جیسے لوگوں نے بھی خیانت شروع کر دی اور سارے سردار پچاس ہزار میں بکے تو یہ ایک لاکھ میں بک گئے۔

۳۔ دشمن کی طاقت میں مادی اور معنوی دونوں طرح سے اضافہ ہو گیا۔ مادی اعتبار سے افراد بڑھے، اموال کی فراوانی ہوئی اور معنوی اعتبار سے سب اپنے حاکم کی اطاعت پر کمربستہ ہو گئے اور ہر حال میں اس کی فرمانبرداری پر تیار ہو گئے چاہے وہ اونٹ کو اونٹنی ہی کیوں نہ کہے اور باطل کسی قدر نمایاں کیوں نہ ہو جائے۔

۴۔ مدائن میں پیش آنے والے حادثات اور ساتھیوں کی طرف سے کسی طرح کی کارروائی نہ ہونے کی بنا پر صورت حال اور سنگین ہو گئی اور مقابلہ کے امکانات بالکل ختم ہو گئے۔

۵۔ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی ذمہ داری بہرحال حاکم پر عائد ہوتی ہے اور اسے اُس وقت تک جہاد کا حق نہیں ہوتا ہے جب تک فتح یقینی نہ ہو جائے یا قربانی دین کے حق میں مفید نہ ہو جائے۔ امام حسنؑ کے لیے ظاہری فتح کا تو کوئی امکان نہ تھا، قربانی کی بھی کوئی افادیت نہ تھی کہ صرف چند مخلصین باقی رہ گئے ہیں ان کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور حقیقی اسلام کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہ جائے گا۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود معاویہ بھی اپنی تمام مکاریوں کے باوجود یہ سوچ رہا تھا کہ حسنؑ بن علیؑ کو جھکا لینا ممکن نہیں ہے اور ان کی موافقت کے بغیر اپنی حکومت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے صلح کا راستہ اختیار کیا اور بظاہر انتہائی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سادہ کاغذ بھیج دیا کہ ہم آپ کے شرائط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اب امام حسنؑ کے سامنے چند مسائل آگئے۔ صلح کا انکار کردیں تو اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی ہوگی اور صلح پر آمادہ ہوجائیں تو لشکر میں مزید ہنگامہ ہوجائے گا۔ چنانچہ آپ نے مسئلہ کو ساتھیوں کے سامنے رکھا کہ اب بھی جہاد کے لیے آمادہ ہو تو میں اتمام حجت کے لیے جہاد کرنے پر تیار ہوں۔ لیکن اگر تمھیں لوگ زندگی چاہتے ہو تو میں کس کے ساتھ جہاد کروں گا۔ لشکر نے مکمل طور پر البقاء البقاء کا نعرہ لگا دیا اور آپ نے دیکھ لیا کہ میرے بارے میں جد بزرگوار رسول اکرمؐ نے جس صلح کا ذکر فرمایا ہے اس کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ آپ نے صلح کی منظوری دیدی اور حسب ذیل شرائط لکھ کر بھیج دیے؛

۱۔ حکومت معاویہ کے ہاتھ میں رہے گی بشرطیکہ وہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کرے۔ (ابن ابی الحدید)

۲۔ معاویہ کو کسی کو ولی عہد نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ (اصابہ۔ الامامہ والسیاسۃ)

۳۔ اہل عراق کے لیے عمومی طور پر امن وامان کا حصول ہوگا۔ (حیٰوۃ الحیوان)

۴۔ معاویہ اپنے کو امیرالمومنین نہ کہے گا۔ (تذکرہ خواص الامۃ)

۵۔ معاویہ کے پاس شہادتوں کا قیام نہ ہوگا۔ (اعیان الشیعہ)

۶۔ سبّ علیؑ کا سلسلہ بند کردیا جائے گا۔ (شرح نہج البلاغہ)

۷۔ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے گا۔ (مناقب)

۸۔ شیعوں کے لیے عمومی طور سے امن وامان رہے گا۔ (طبری)

۹۔ اہواز کا خراج جمل وصفین کے مقتولین کی اولاد کو دیا جائے گا۔ (الامامۃ والسیاسۃ)

۱۰۔ بیت المال کوفہ امام حسنؑ کے قبضہ میں رہے گا۔ (تاریخ دول الاسلام)

۱۱۔ معاویہ سالانہ دس لاکھ درہم ادا کرے گا۔ (جوہرۃ الکلام)

۱۲۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ اور اہلبیتؑ کے خانوادہ کو کسی طرح کی اذیت نہ دی جائے گی۔ (بحار)

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر جب صلح کی پیش کش کی جائے اور اس طرح کے شرائط پر رضامندی کا اظہار کیا جائے تو جنگ جو افراد کے علاوہ کسی کے لیے جنگ وجدال کا جواز نہیں رہ جاتا ہے اور ہر انصاف پسند انسان کا فرض بن جاتا ہے کہ وہ صلح پر آمادگی کا اظہار کردے، چاہے اس صلح کا انجام کچھ بھی کیوں نہ ہو۔

پھر صلح کو نظرانداز کردینے میں دین ودنیا دونوں کا فساد تھا۔ دنیاوی اعتبار سے سوائے اصحابِ باوفا اور اہل خاندان کے قتل عام کے اور کچھ ہاتھ نہ آتا۔۔۔ اور دینی اعتبار سے ہر خون کا جواب دہ بھی ہونا پڑتا کہ حالات کی مساعدت کے بغیر جنگ کا اعلان کردینا خودکشی یا خون ریزی کو دعوت دینے کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ ایسے حالات میں صلح اور سکوت کی مثالیں رسول اکرمؐ کی حیات میں بھی موجود تھیں اور مولائے کائنات کی حیات میں بھی۔ بلکہ رسول اکرمؐ نے تو بظاہر کفار کی شرطوں کو تسلیم کرکے صلح کی تھی جس پر حضرت عمر نے اپنے غیظ وغضب کا بھی اظہار کیا تھا اور آپ کی رسالت کو بھی مشکوک بنا دیا تھا، لہٰذا امام حسنؑ نے صلح کی منظوری دے دی۔

اس کے بعد امام حسینؑ کی جنگ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا کہ آپ کے سامنے صلح کا کوئی ذکر نہیں آیا بلکہ یزید نے آپ سے براہ راست بیعت کا مطالبہ کیا جس کا مطلب ہی دین کی تباہی اور بربادی تھا اور ایسی صورت میں جہاد واجب ہوجاتا ہے ورنہ امام حسنؑ کی زندگی میں اور امام حسنؑ کی شہادت کے بعد بھی دونوں طرح کے حالات میں امام حسینؑ نے معاویہ کے مقابلہ میں صلح حسنؑ کا مکمل لحاظ رکھا اور کسی طرح کے جہاد کا اعلان نہیں کیا جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ صلح وجنگ ایک طرح کے عمل ہیں جو باطل کے طرزِ عمل کے مقابلہ میں سامنے آتے ہیں۔ باطل صلح کی پیش کش کرتا ہے تو صلح کرلی جاتی ہے اور باطل بیعت کا مطالبہ کرتا ہے تو جان قربان کردی جاتی ہے۔

مضمراتِ صلح

مضمرات صلح کے بارے میں شرائط کا بغور مطالعہ کرلینا ہی کافی ہے کہ اس سے واضح طور پر اندازہ ہوجاتا ہے کہ امام حسنؑ نے صلح پر آمادگی کیوں ظاہر کی اور آپ اس صلح سے کس قسم کے نتائج حاصل کرنا چاہتے تھے۔

اجمالی طور پر یہ کہہ دینا کافی ہے کہ آل محمدؐ کا مقصدِ زندگانی حفظِ شریعت اور صیانتِ اسلام کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ انھوں نے تمام زندگی اسی امر کی کوشش کی ہے اور ان کے جملہ حرکات وسکنات کا مقصد ہمیشہ تحفظ مذہب رہا ہے۔ کبھی اس مقصد کو حکومت لے کر انجام دیا ہے جیسا کہ امیرالمومنینؑ

نے خلافت کے چوتھے مرحلہ پر کیا ہے اور کبھی حکومت دے کر انجام دیا ہے جیسا کہ صلح امام حسنؑ میں ہوا ہے۔ اسی طرح کبھی دشمنوں کی جان لے کر اس فریضہ کو انجام دیا ہے جیسا کہ بدر و احد کے معرکوں میں ہوا ہے اور کبھی اپنی جان دے کر انجام دیا ہے جیسا کہ مسجد کوفہ میں ہوا ہے۔ بلکہ کبھی دونوں اسلوب جمع کر دیے ہیں یَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ جیسا کہ صحرائے کربلا میں ہوا ہے۔

آلِ محمدؑ کے طرزِ عمل میں اگر کسی وقت اختلاف نظر آتا ہے تو وہ اختلاف بھی اسی مقصد کے حصول کے حالات کا نتیجہ ہے اسے اختلاف کردار سے ہرگز تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس کی مثالیں سنت الٰہیہ میں بھی موجود ہیں اور سیرت مرسلِ اعظمؐ میں بھی۔ پروردگار نے اپنے انبیاء کی زندگی کا تحفظ کرنا چاہا تو کبھی موسیٰؑ کے ہاتھوں کو ایک انگارہ سے بھی نہ بچایا اور اس پر نشان پڑ گیا اور کبھی ابراہیمؑ کو لاکھوں من لکڑیوں کے شعلوں کے درمیان سے بچا لیا۔

رسول اکرمؐ بھی کبھی بدر و احد کے میدانوں میں طاقت کا مظاہرہ کرتے رہے اور کبھی عجیب و غریب قسم کی صلح پر آمادہ ہو گئے جو بڑے بڑے "صحابۂ کرام" کی سمجھ میں بھی نہ آئی۔ بات صرف ایک تھی اور ایک ـــــ اور وہ ہے دین کا تحفظ۔ تحفظ حالات کے اعتبار سے ہوتا ہے اور حالاتِ زمانہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔

پھر امام حسنؑ نے صلح کے لیے بہترین موقع دیکھا تھا کہ جس کا باپ کل میرے نانا کی ایک ایک شرط پر ہنگامہ کر رہا تھا اسی باپ کا بیٹا آج میری ہر شرط کو ماننے کے لیے تیار ہے اور میرے حوالے سادہ کاغذ کر دیا ہے جو میری فتح کا پہلا اعلان ہے اور میرے لیے بہترین امکان ہے کہ میں شرائط لکھ کر ایک بہترین دستاویز تیار کر دوں جو صبح قیامت تک فریقین کی نیت اور ذہنیت کی بھی ترجمانی کرتی رہے اور حق و باطل کی شناخت حاصل کرنے والے کی رہنمائی بھی کرتی رہے۔

چنانچہ امام حسنؑ نے اپنی صلح سے حسب ذیل فوائد حاصل کر لیے:

۱۔ حاکم شام معاویہ جو باپ دادا، ماں نانا، یعنی دادھیال اور ننھیال دونوں طرف سے دشمنِ اسلام تھا اسے گویا دین اسلام کا محافظ بنا دیا، اور اب وہ اسلام کو آلِ رسولؐ کی میراث سمجھنے کے بجائے اپنی ملکیت سمجھنے لگا اور اس کے تحفظ پر آمادہ ہو گیا جس طرح بزرگوں کا کہنا ہے کہ اگر مال کو محفوظ رکھنا ہے تو اس کے پاس رکھوا دو جس سے چوری کا خطرہ ہو، مال ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

۲۔ ظالمین کا تاریخی کردار یہ رہا ہے کہ حالات کے بدلتے ہی اپنی سابقہ روش کا انکار کر دیتے ہیں اور اپنے کو معصوم ثابت کرنے لگتے ہیں۔ امام حسنؑ نے چاہا کہ سب علیؑ کے بند کرنے کی شرط لگا کر دنیا پر یہ واضح کر دیا جائے کہ شام کے زیر اقتدار نفس رسولؐ سے کس طرح کا برتاؤ کیا جا رہا ہے اور آلِ محمدؑ کس مظلومیت کی زندگی گزارتے رہے ہیں۔

۳۔ اسلامی حکومت کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو۔ اس سے ہٹ کر کوئی حکومت اسلامی کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔ امام حسنؑ نے پہلی شرط یہ قرار دی کہ تجھے کتاب خدا اور سنت پر عمل کرنا ہوگا جو اس امر کا کھلا ہوا اعلان تھا کہ شام کی حکومت میں کتاب و سنت پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور امام حسنؑ کی پہلی ترجیح یہ ہے کہ کتاب و سنت پر عمل ہو چاہے حکومت کسی کے ہاتھ میں ہو۔ ہمارا مقصد حکومت نہیں ہے کتاب و سنت پر عمل درآمد کرانا ہے۔

۴۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ مسلمانوں کے جان و مال کا تحفظ کرے اور اس کے لیے ہر وہ راستہ اختیار کرے جو قوانین شریعتِ اسلام کے خلاف نہ ہو۔ امام حسنؑ کو معلوم تھا کہ حاکم شام بہرحال کسی نہ کسی بہانے میرے اصحاب اور مخلصین جو اسلام کے حقیقی مخلصین ہیں ان کی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہتا ہے اور ان زندگیوں کے تحفظ کا بہترین ذریعہ یہ صلح نامہ ہے جس کے مرتب کرنے کا اختیار میرے ہاتھوں میں آ گیا ہے۔ لہٰذا آپ نے صلح نامہ مرتب کر کے ان زندگیوں کا تحفظ کر لیا جن کے تحفظ کے لیے اچھے خاصے لشکر اور اسلحے بھی ناکافی تھے جیسا کہ تاریخی تجربات سے واضح ہو چکا تھا۔ البتہ اس طرز عمل کا قیاس جمل و صفین کی لڑائیوں پر نہیں ہو سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے اپنے مخلصین کی زندگیوں کا تحفظ کیوں نہیں کیا اس لیے کہ جمل و صفین میں دشمن حملہ آور تھا اور حملہ آور سے تحفظ کا طریقہ مسلح مقابلہ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ہے وہاں صلح کی کوئی پیش کش نہیں تھی جسے وسیلہ بنایا جا سکتا جس طرح امام حسنؑ کے سامنے یہ غنیمت موقع آ گیا تھا۔ بلکہ صفین میں بھی جب نیزوں پر قرآن بلند کر دیے گئے اور یہ امکان پیدا ہو گیا کہ جنگ کو روکا جا سکے تو امیر المومنینؑ نے فوراً جنگ کو روک دیا اور دشمن کو خوں ریزی کا مزید موقع نہیں دیا۔ حالانکہ آپ کو معاویہ کی نیت کا بھی علم تھا اور آپ اس جنگ بندی کے نتائج سے بھی باخبر تھے۔

۵۔ صلح کے زیر اثر محبانِ اہلبیتؑ کو قدرے آزادی کی سانس لینے کا موقع ملا تو انھوں نے اپنے عقائد اور احکام کا اعلان شروع کر دیا اور اس طرح امت کو بالواسطہ حقائق سے آگاہ کرنے لگے۔ چنانچہ

اذان کے درمیان ولایتِ علیؑ کا اعلان بھی اسی استفادہ کی ایک کڑی تھی کہ جب معاویہ نے منبروں سے گالیاں دلوانا شروع کیں تو علیؑ والوں نے مناروں سے ولایت کا اعلان شروع کر دیا تاکہ دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ گالیوں کا یہ سلسلہ کسی عام انسان کے لیے نہیں ہے بلکہ ایک ولی خدا کے لیے ہے، جسے قرآن نے ولیِ خدا قرار دیا ہے۔ اور ولی خدا کو گالیاں دینا خود خدا کو دعوتِ جنگ دینے کے مرادف ہے۔ جس کے بعد اسلام کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی ہے اور معاویہ کسی رُخ سے مسلمان نہیں رہ جاتا ہے۔

امام حسنؑ کا تاریخی مناظرہ

صاحب احتجاج علامہ طبرسیؒ کا بیان ہے کہ ابو مخنف، شعبی اور یزید بن ابی حبیب مصری کی روایت کی بنا پر اسلام میں اس سے بڑا کوئی مناظرہ نہیں ہوا ہے جیسا مناظرہ معاویہ کے دربار میں اس دن ہوا جس دن دربار میں عمرو بن عثمان بن عفان، عمرو بن العاص، عتبہ بن ابی سفیان، ولید بن عقبہ اور مغیرہ بن شعبہ سب جمع ہو گئے اور سب نے طے کر لیا کہ آج حسن مجتبیٰؑ کو دربار میں بلا کر انھیں خوب بُرا بھلا کہا جائے گا اور انھیں ذلیل کیا جائے گا۔ چنانچہ عمرو بن العاص نے معاویہ سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ معاویہ نے کہا کہ یہ تم سب کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس میں تمھاری ہی رسوائی ہوگی۔ لیکن حاضرین نے اصرار کیا اور اس نے امام حسنؑ کو طلب کر لیا۔ آپ نے قاصد سے دربار کے حالات دریافت کیے اور دعائے حفظ از شیاطین پڑھ کر گھر سے نکل پڑے۔ دربار میں پہونچے تو معاویہ نے استقبال کیا اور احترام سے بٹھایا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے کیوں طلب کیا گیا ہے؟ اُس نے کہا کہ ان لوگوں نے یہ ثابت کرنے کے لیے بُلایا ہے کہ عثمانؓ مظلوم مارے گئے ہیں اور انھیں آپ کے باپ نے قتل کرایا ہے لہذا آپ ان کا بیان سُنیں اور انھیں جواب دیں۔

آپ نے فرمایا کہ یہ دربار تیرا ہے اگر تو نے انھیں بولنے کی اجازت دے دی ہے تو پھر جواب بھی سننا پڑے گا اور بہرحال کسی ایک فریق کی طرف سے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ مجھے معلوم ہوتا تو میں بھی بنی ہاشم کے اتنے ہی افراد ساتھ لے کر آتا لیکن اب اللہ میرا مددگار ہے۔ یہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیں، میں بحول و قوتِ خدا ان سب کا جواب دوں گا۔

یہ سُننا تھا کہ عمرو بن عثمان نے اپنی بکواس شروع کی، اور عثمان کی قرابت اور منزلت کا ذکر کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ بنی ہاشم نے حسد کی وجہ سے انھیں قتل کرایا ہے اور یہ کس قدر ذلت کی بات ہے کہ خلیفہ مارا جائے اور اس کے قاتل آزاد گھومتے رہیں۔ ابھی تو تمھارے ذمہ

ہمارے ۱۹ خون باقی ہیں۔

اس کے بعد عمرو عاص نے اتنا اور اضافہ کیا کہ تمھارے باپ نے ابوبکرؓ کو بھی زہر دیا ہے اور عمرؓ و عثمانؓ کو بھی قتل کیا ہے اور غلط حق کا دعویٰ کیا ہے اور تم امیر المومنین بننا چاہتے ہو حالانکہ تمھارے پاس عقل اور فکر نہیں ہے۔ ہم نے تمھیں صرف گالیاں سُنانے کے لیے بُلایا ہے اور تم ہم میں کوئی عیب نہیں نکال سکتے ہو، اور ہمت ہو تو بیان کرو۔ تمھارے باپ بدترین خلائق تھے خدا نے ہمیں ان کے شر سے بچا لیا (معاذ اللہ) اب تم ہمارے اختیار میں ہو۔ ہم تمھیں قتل بھی کر دیں تو کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

اس کے بعد عتبہ بن ابوسفیان نے تقریر شروع کی کہ تمھارے باپ بدترین قریش تھے۔ قطع رحم کرنے والے اور اقربا کا خون بہانے والے اور تمھارا شمار بھی قاتلانِ عثمانؓ میں ہوتا ہے۔ ہم تمھیں قتل بھی کر دیں تو ہمارا حق ہے۔ خدا نے تمھارے باپ کو تو فنا کر دیا۔ اب تم خلافت کی امید رکھتے ہو جو ہرگز تمھارا حق نہیں ہے اور نہ تم اس کے قابل ہو۔

اس کے بعد ولید بن عقبہ نے اسی بات کی تکرار کی اور آخر میں کہا کہ عثمانؓ تمھارے بہترین ماموں اور تمھارے گھرانے کے بہترین داماد تھے لیکن تم لوگوں نے حسد کیا اور انھیں قتل کرا دیا اب دیکھو کہ خدا تمھیں کیا دکھلاتا ہے۔

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علیؑ کی شان میں انتہائی گُستاخی کرتے ہوئے کہا کہ عثمان مظلوم مارے گئے، اور تمھارے باپ کے پاس اس خون کا کوئی جواز نہیں تھا۔ انھوں نے قاتلانِ عثمان کو پناہ دی ہے اور وہ ان کے قتل سے راضی تھے جب کہ بنی امیہ بنی ہاشم کے حق میں خود بنی ہاشم سے بھی بہتر تھے اور معاویہ تمھارے حق میں تمھارے باپ سے بھی بہتر ہے۔ تمھارے باپ نے رسول اکرمؐ سے دشمنی کی اور ان کے قتل کا منصوبہ بنایا جو رسول اکرمؐ کو معلوم ہو گیا تو بچ گئے۔ پھر انھوں نے ابوبکرؓ کی بیعت سے انکار کر دیا اور انھیں زہر دلوا دیا پھر عمرؓ کو قتل کرایا، پھر عثمانؓ کو قتل کرایا، تو اب خدا کی بارگاہ میں تمھاری کیا حیثیت ہے۔ معاویہ کو خون عثمانؓ کے قصاص کا حق ہے اور علیؑ کا خون عثمانؓ کے خون سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ خدا اولاد عبدالمطلب میں حکومت اور نبوت کو جمع نہیں کر سکتا ہے۔

یہ سب اپنی اپنی بکواس تمام کر چکے تو امام حسنؑ نے تقریر شروع کی: "خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے اول کے ذریعہ تمھارے اول کو اور ہمارے آخر کے ذریعہ تمھارے آخر کو راہ ہدایت دکھلائی۔ میرے جد حضرت محمد مصطفٰیؐ پر رحمت پروردگار۔ ایہا الناس! میری بات سنو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

اے معاویہ! خدا کی قسم یہ سب گالیاں تو نے دی ہیں اور اس کا انتظام تو نے کیا ہے ورنہ اگر مسجد پیغمبرؐ ہوتی اور انصار و مہاجرین کا مجمع ہوتا تو کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ اس طرح کی بات کر سکے۔ اچھا اب سازش کرنے والو سنو اور دیکھو جس حق کو جانتے ہو اس کی پردہ پوشی نہ کرنا اور میں غلط کہوں تو میری تصدیق بھی نہ کرنا۔

معاویہ! میں گفتگو کا آغاز تجھ سے کر رہا ہوں اور اُس سے کم ہی بیان کروں گا جتنا عیب تجھ میں موجود ہے۔

ذرا خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ بتاؤ کہ کیا تمھیں نہیں معلوم ہے کہ جس کو بُرا بھلا کہہ رہے ہو اس نے اُس وقت دونوں قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے جب تم لوگ لات و عُزّیٰ کی پوجا کر رہے تھے۔ اور اس وقت دونوں بیعتوں میں حصہ لیا ہے جب پہلی بیعت کے وقت تم کافر تھے اور دوسری بیعت کے موقع پر بیعت شکن اور منحرف ہو گئے تھے۔

خدارا بتاؤ کیا تمھیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ میرے باپ نے تم سے بدر میں اس عالم میں ملاقات کی ہے کہ ان کے ہاتھ میں پرچم اسلام تھا اور تمھارے ہاتھ میں پرچم مشرکین اور تم لات و عُزّیٰ کے پرستار تھے اور رسولؐ سے جنگ کو واجب سمجھ رہے تھے۔

انھوں نے روز احزاب بھی تم سے مقابلہ کیا ہے جب کہ وہ لشکر اسلام کے علم بردار تھے اور تم لشکر کفار کے۔ ان تمام مقامات پر خدا نے ان کی حجت کو مضبوط بنایا تھا، ان کی دعوت کو ثابت کیا تھا اور ان کی نصرت و امداد کی تھی۔ رسول اکرمؐ ان سے راضی تھے اور تم سے ناراض۔

برائے خدا یہ بتاؤ کہ کیا تمھیں نہیں معلوم ہے کہ رسول اکرمؐ نے بنی قریظہ اور بنی نضیر کا محاصرہ کیا تھا تو قلعہ کو فتح کرنے کے لیے سعد بن معاذ اور عمر بن الخطاب کو بھیجا تھا تو سعد زخمی ہو کر واپس آئے تھے اور عمرؓ نے فرار اختیار کیا تھا، اس عالم میں کہ وہ لشکر کو بزدل بنا رہے تھے اور لشکر انھیں۔

تو رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ کل اسے علم دوں گا جو مرد میدان اور کرار غیر فرار ہوگا۔ خدا اور رسول اس کے دوست ہوں گے اور وہ خدا و رسول کا دوست ہوگا اور فتح کیے بغیر واپس نہ آئے گا ــــ اور پھر عمرؓ و ابوبکرؓ و انصار و مہاجرین نے علم داری کی کوشش بھی کی کہ حضرت علیؑ کی آنکھوں میں تکلیف تھی لیکن رسول اکرمؐ نے انھیں بُلا کر لعاب دہن سے علاج کر کے پرچم اسلام انھیں دے دیا تھا اور انھوں نے بہ فضل خدا میدان کو فتح کر لیا تھا جب کہ تم مکہ میں خدا و رسولؐ کے دشمنوں میں سے تھے۔

تو کیا خدا کے لیے قربانی دینے والا اور خدا سے دشمنی کرنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

میں بخدا قسم کہتا ہوں کہ تمھارا دل اب تک مسلمان نہیں ہوا ہے اور تمھاری زبان دل کے خلاف کلمہ پڑھ رہی ہے۔

خدارا بتاؤ کیا تمھیں نہیں معلوم ہے کہ تبوک کے موقع پر رسول اکرمؐ نے انھیں مدینہ میں اپنا جانشین بنایا تھا اور جب منافقین نے طنز کیا اور انھوں نے گذارش کی کہ حضور مجھے اپنے سے جدا نہ کیجیے تو رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ تم میرے وصی اور میرے جانشین ہو اور تمھارا مرتبہ ہارون جیسا ہے اور اس کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ جو اس کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے اور جو میرا دوست ہے وہ خدا کا دوست ہے اور جو اس کا مطیع ہے وہ میرا مطیع ہے اور جو میرا مطیع ہے وہ خدا کا اطاعت گذار ہے اس کی حکومت کا اقرار کرنے والا میرا اور خدا کا حاکم ماننے والا ہے۔

ذرا خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتاؤ کیا تمھیں نہیں معلوم ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اکرمؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ میں تم میں کتاب خدا اور اپنی عترت چھوڑے جا رہا ہوں جو ان سے متمسک رہے گا گمراہ نہ ہوگا۔ ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام سمجھنا۔ ان کے محکم پر عمل کرنا اور متشابہ پر ایمان رکھنا۔ اہلبیتؑ سے محبت کرنا اور ان کے دوستوں سے بھی محبت کرنا اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرنا۔ یہ حوض کوثر تک ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ اس کے بعد منبر پر علیؑ کو بلند کر کے فرمایا تھا کہ خدایا! اس کے دوست کو دوست اور اس کے دشمن کو دشمن رکھنا ــــ خدایا! اس کے دشمن کو زمین میں ٹھکانا اور آسمان میں جگہ نہ دینا اور اس کی منزل درک اسفل کو قرار دینا۔

خدارا یہ بتاؤ کہ کیا تمھیں یہ ارشاد رسولؐ نہیں معلوم ہے کہ یا علیؑ تم حوض کوثر سے بعض لوگوں کو اس طرح ہنکاؤ گے جس طرح اجنبی جانور ہنکائے جاتے ہیں۔؟

کیا تمھیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ علیؑ کو رسولؐ نے اپنے مرض الموت میں دیکھ کر گریہ فرمایا تو آپ نے عرض کی کہ آپ روتے کیوں ہیں؟ تو فرمایا کہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ لوگوں کے دلوں میں تمھاری طرف سے کینہ ہے جو میرے بعد ظاہر ہوگا۔

خدارا بتاؤ کیا تمھیں نہیں معلوم ہے کہ وقت آخر آپ نے گھر والوں کو جمع کر کے فرمایا تھا کہ خدایا! یہ میرے اہلبیتؑ ہیں، ان کے دوست سے دوستی اور ان کے دشمن سے دشمنی رکھنا اور فرمایا تھا کہ اہلبیتؑ کی مثال سفینۂ نوح کی ہے کہ جو اس سے وابستہ ہو گیا نجات پا گیا، اور جو اس سے الگ ہو گیا وہ ہلاک ہو گیا۔

خدارا بتاؤ کیا تمھیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ اصحاب رسولؐ، رسولؐ کی زندگی میں انھیں ولی اور حاکم کہہ کر سلام کیا کرتے تھے؟۔

خدارا بتاؤ کیا تمھیں علم نہیں ہے کہ علیؑ نے تمام اصحاب سے پہلے اپنے اوپر خواہشات دنیا کو حرام کر لیا تھا اور ان کے پاس موت و حیات کا علم، مستقبل کے حادثات کا، علم اور مسائل میں قضاوت کا مکمل علم تھا۔ ان کا شمار صاحبانِ علم و ایمان میں ہوتا تھا اور تمھارا شمار اس زمرہ میں ہوتا تھا جس پر رسول اکرمؐ نے لعنت کی تھی۔

خدارا بتاؤ کیا تمھیں یاد ہے کہ رسول اکرمؐ نے تمھیں بنی خزیمہ کے لیے فرمان لکھنے کے لیے بلایا تو قاصد نے بار بار یہ خبر دی کہ کھانا کھا رہے ہیں تو آپ نے بد دعا کی تھی کہ خدایا اس کا پیٹ کبھی نہ بھرنے پائے۔

خدارا معاویہ یہ بتاؤ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ رسول اکرمؐ نے ایک دن تمھارے باپ کو اونٹ پر سوار دیکھا تھا جب تم اسے کھینچ رہے تھے اور تمھارا بھائی ہنکا رہا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ خدایا! اس سوار اور اس کے قائد و سائق تینوں پر لعنت فرمانا۔

خدارا معاویہ بتاؤ کیا رسول اکرمؐ نے ابوسفیان پر سات مواقع پر لعنت نہیں کی تھی۔؟

۱۔ جب آپ مکہ سے مدینہ کے لیے نکلے اور ابوسفیان شام سے واپس آیا اور اس نے آپ کو بُرا بھلا کہا اور آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن خدا نے آپ کو بچا لیا۔

۲۔ جس دن ابوسفیان نے قافلہ تجارت کو راستہ بدل کر رسول اکرمؐ سے بچا لیا۔

۳۔ روز احد جب رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ "اللّٰہ مولانا ولا مولیٰ لکم" اور ابوسفیان نے

کہا کہ "لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم" تو خدا و رسولؐ اور ملائکہ سب نے اس پر لعنت کی۔

۴۔ روزِ حنین جب ابوسفیان نے لشکرِ کفار میں اتحاد پیدا کرایا اور قرآن نے دس سوروں میں اسے کافر قرار دیا اور تم بھی اسی کے ساتھ تھے جب کہ علیؑ رسول اکرمؐ کے ہمراہ تھے۔

۵۔ جس دن تم نے اور تمھارے باپ نے رسول اکرمؐ کی قربانی کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

۶۔ روزِ احزاب جب ابوسفیان نے کفار کی طاقت کو مجتمع کیا تھا۔

۷۔ جس دن بارہ افراد نے مل کر رسول اکرمؐ پر حملہ کیا تھا جن میں سے سات بنی امیہ میں سے تھے اور پانچ دیگر قریش میں سے۔

پھر خدارا بتاؤ کہ کیا تمھیں نہیں معلوم ہے کہ عثمانؓ کے خلیفہ بننے کے بعد ابوسفیان مبارکباد کے لیے آیا تو یہ معلوم کر کے کہ کوئی غیر آدمی نہیں ہے انھیں یہ مشورہ دیا کہ جوانان بنی امیہ خلافت تمھارے ہاتھ میں آگئی ہے اب اسے گیند کی طرح نچاؤ کہ جنت و جہنم کوئی چیز نہیں ہے۔

خدارا بتاؤ کیا تمھیں نہیں معلوم ہے کہ روزِ بیعتِ عثمان ابوسفیان نے حسینؑ کا ہاتھ پکڑا اور بقیع میں جا کر بآوازِ بلند پکار کر کہا تھا کہ اے اہلِ قبور! جس بات کے لیے تم ہم سے جنگ کر رہے تھے وہ اب ہمارے قبضہ میں ہے اور تم خاک میں مل گئے ہو، تو حسینؑ بن علیؑ نے کہا تھا کہ خدا تیرا بُرا کرے اور تیرا منھ کالا کرے یہ کیا کہہ رہا ہے۔؟

معاویہ! یہ ہے تیری داستان ــ اب بتا کیا کسی بات کی تردید کر سکتا ہے؟ تیری لعنت کے لیے یہی کافی ہے کہ جب ابوسفیان نے کلمہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو تو نے ایک مشہور شعر پڑھ کر اسے اسلام لانے سے روک دیا تھا۔ اور جب عمر بن الخطاب نے تجھے حاکم بنایا تو تو نے خیانت کی۔ اور جب عثمانؓ نے گورنر بنایا تو ان کا ساتھ نہ دیا اور حالات کا تماشائی بنا رہا۔ اس سے بدتر یہ ہے کہ تو نے خدا و رسولؐ کے خلاف علیؑ سے جنگ کی ہے جب کہ تجھے ان کے فضائل و مناقب اور کارنامے سب معلوم تھے اور تو نے بے گناہ خلق خدا کا خون بہایا ہے جیسے کہ نہ قیامت پر ایمان ہے اور نہ عذاب الٰہی کا خوف۔ یقیناً انجام کار تمھاری منزل بدترین ہوگی اور ان کی منزل بہترین ہوگی۔

معاویہ! یہ سب تیری شان میں ہے اور زیادہ باتیں اس لیے ترک کر دی ہیں کہ بیان میں

طول ہو جائے گا۔

اس کے بعد لے عمرو بن عثمان! ـ تو وہ احمق ہے جو جواب کے قابل بھی نہیں ہے۔ تیری مثال اس مچھر جیسی ہے جس نے کھجور کے درخت سے کہا تھا کہ ذرا سنبھلنا کہ میں اترنے جا رہا ہوں۔ تو اس نے کہا تھا کہ مجھے تیرے چڑھنے ہی کی اطلاع نہیں ہوئی تو اب اترنے کا کیا غم ہوگا۔ خدا کی قسم مجھے یہ خیال بھی نہیں تھا کہ تو بھی ایسی باتوں کی جرأت کر سکتا ہے اور مجھے تیرا بھی جواب دینا پڑے گا خیر اب سچ سچ بتا کیا تیرے علیؑ کو بُرا کہنے سے ان کے حب میں نقص پیدا ہو جائے گا یا وہ رسول اکرمؐ سے دور ہو جائیں گے یا ان کے کارنامے ختم ہو جائیں گے یا ان کا ظلم ثابت ہو جائے گا یا وہ دنیادار بن جائیں گے؟ تو ان میں سے جو بات بھی کہے گا وہ جھوٹ اور خلاف واقع ہوگی۔

تیرا یہ کہنا کہ ہمارے ذمہ ۱۹ خون ہیں تو ان مشرکین کو خدا و رسولؐ نے قتل کرایا ہے اور یقیناً تو بنی ہاشم میں سے ۱۹ کے بعد بھی تین کو اور قتل کرے گا۔ پھر بنی امیہ کے ۱۹۔۱۹ مارے جائیں گے اور یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ آل مروان تیس ہو جائیں گے تو مال خدا کو غنیمت اور بندگانِ خدا کو غلام بنالیں گے اور تین سو دس ہو جائیں گے تو ان پر لعنتِ خدا ثابت ہو جائے گی اور ۴۰۵ ہو جائیں گے تو سب ایک ساتھ قتل کر دیے جائیں گے۔ اور اتفاق سے اسی وقت حکم بن ابی العاص آگیا تو آپؐ نے فرمایا کہ آہستہ بات کرو کہ وزغ سن رہا ہے۔

رسول اکرمؐ نے تو بنی امیہ کی حکومت کو خواب میں دیکھا تھا تو سخت رنجیدہ تھے اور خدا نے انھیں تسلی دیتے ہوئے تیرے خاندان کو شجرۂ ملعونہ قرار دیا تھا اور فرمایا تھا کہ ایک شب قدر بنی امیہ کی ہزار ماہ کی حکومت سے بہتر ہے۔ حضرت علیؑ کے بعد تمھاری حکومت ہزار ماہ سے زیادہ نہ ہوگی۔

اور تو اے عمرو عاص! تو تو وہ ملعون اور ابتر ہے جس کا حسب ایک سگِ دنیا جیسا ہے، تیری ماں وہ زانیہ تھی جس کے یہاں تیری ولادت پر ابوسفیان، ولید بن مغیرہ، عثمان بن الحرث، نضر بن کندہ اور عاص بن وائل سب نے دعویٰ کیا تھا اور آخر میں وہ شخص غالب آگیا جو حسب کا ذلیل، منصب کا خبیث اور بدکاری کا سربراہ تھا، اور آج تو مجھے دشمنِ رسولؐ کہہ رہا ہے جب کہ تیرے باپ نے رسول اکرمؐ کو ابتر کہا تھا جس پر آیت نازل ہوئی تھی: "ان شانئك

ھوالأبتر"۔ تیرا باپ دشمنِ رسولؐ اور ابتر تھا اور تو ابتر کی اولاد ہے۔

اس کے بعد تو تمام مواقف اور معارک میں رسول اکرمؐ کے مقابلہ میں رہا ہے اور تو ان ظالموں میں شامل تھا جنھوں نے نجاشی سے مہاجر مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ تو کرمِ خدا تھا کہ اس نے تیرے مکر کو ناکام کر دیا اور تیری آرزو پوری نہ ہو سکی کہ اسلام کا کلمہ سر بلند ہوا اور کفر کا کلمہ پست و ذلیل ہوگیا۔

عثمانؓ کے بارے میں تیرا دعویٰ بھی انتہائی بے حیائی کی دلیل ہے۔ تو نے فتنہ کی آگ کو بھڑکایا اور پھر فلسطین بھاگ گیا اور دور سے حالات کا تماشائی بنا رہا، اور جب عثمانؓ کا قتل واقع ہوگیا تو معاویہ کے ساتھ لگ گیا اور دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالا۔ ہم نہ اپنی عداوت پر ملامت کرتے ہیں اور نہ اپنی محبت کے بارے میں عتاب کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تو جاہلیت اور اسلام دونوں دور میں بنی ہاشم کا دشمن رہا ہے۔ تو نے رسول اکرمؐ کی ہجو میں ستّر اشعار کی نظم لکھی تھی جس پر حضورؐ نے یہ بددعا کی تھی کہ پروردگار! میں جوابی اشعار تو نہ کہوں گا لیکن تو ہر شعر کے بدلے ہزار مرتبہ لعنت فرمانا۔ پھر تو نے ایک مرتبہ اور دین کو فروخت کیا تھا جب دوبارہ نجاشی کے پاس ہدیے لے کر گیا تھا اور اسے گمراہ کرنا چاہا تھا لیکن تو اس مرتبہ بھی مغلوب اور ناکام ہوا۔ تو نے جناب جعفر اور ان کے گھر والوں کو ہلاک کرنا چاہا تھا لیکن ناکام رہا تو یہ کام عمارہ بن ولید کے حوالے کر دیا۔

اور تو اے ولید بن عتبہ! میں تجھے عداوتِ علیؑ پر ملامت نہیں کرتا کہ انھوں نے تجھے شراب خوری پر اسّی کوڑے لگائے ہیں اور تیرے باپ کو روز بدر قتل کیا ہے۔ پھر تو انھیں کیا بُرا کہے گا۔ خدائے متعال نے انھیں دس آیتوں میں مردِ مومن قرار دیا ہے اور تجھے فاسق۔ تو قریش کے بارے میں کیا کہتا ہے تو تو ذکوان جیسے کافر کا فرزند ہے۔ تیرا خیال ہے کہ عثمانؓ کو ہم نے قتل کیا ہے۔ یہ بات تو طلحہ و زبیر و عائشہ بھی حضرت علیؑ سے نہ کہہ سکے تھے، تو ہم سے کہہ رہا ہے؟

اگر تو اپنی ماں سے پوچھے کہ تیرا باپ کون ہے تو وہ بتائے گی کہ اس نے کس طرح ذکوان کو چھوڑ کر تجھے عتبہ بن ابی معیط سے جوڑ دیا تھا اور اس طرح سماج میں بلندی حاصل کر لی تھی۔ حالانکہ تیرے اور تیرے باپ کے لیے دنیا میں ذلّت اور آخرت میں رسوائی ہی ہے اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔

اور تو اے ولید! خدا گواہ ہے کہ تو جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس سے عمر میں

بڑا ہے۔ تو علیؑ کو کیا بُرا کہے گا۔ تیرے لیے یہی کافی ہے کہ اپنے کو اپنے باپ کا بیٹا ثابت کر لے جس کے بارے میں تیری ماں نے کہا تھا کہ تو جس کی طرف منسوب ہے تیرا باپ اس سے زیادہ لئیم اور ذلیل ہے۔

اور تو اے عتبہ بن ابوسفیان! خدا کی قسم تو قابلِ جواب بھی نہیں ہے اور نہ تیرے پاس عقل ہے کہ تجھ پر عتاب کیا جائے، نہ تجھ سے کسی خیر کی امید ہے۔ تو اگر علیؑ کو بُرا بھی کہے تو کیا کہا جائے کہ تو علیؑ کے ایک غلام کے برابر بھی نہیں ہے۔ پروردگار تیرے، تیرے ماں باپ اور بھائی کے لیے تاک میں ہے۔ اور تو ان آبا و اجداد کی اولاد ہے جن کے بارے میں قرآن نے اعلان کیا ہے کہ "ان کا انجام جہنم ہے اور انھیں بدترین طعام و شراب سے نوازا جائے گا۔"

تو آج مجھے قتل کی دھمکی دے رہا ہے، تو نے اسے کیوں نہیں قتل کیا تھا جسے اپنی زوجہ کے ساتھ بستر میں دیکھا تھا اور جس نے تیری زوجہ پر قبضہ کر کے تیرے بیٹے کو زبردستی تیری طرف منسوب کر دیا تھا۔ تجھے پہلے اپنے معاملہ کا بدلہ لینا چاہیے اس کے بعد قتلِ عثمانؓ کی فکر کرنا چاہیے۔ میں تیری زبان سے علیؑ کی بُرائی پر ملامت نہیں کرتا کہ انھوں نے تیرے بھائی کو میدانِ بدر میں تنہا قتل کیا ہے اور تیرے دادا کو حمزہ کے ساتھ مل کر قتل کیا ہے اور دونوں کو واصلِ جہنم کیا ہے اور تیرے چچا کو حکمِ رسولؐ سے شہر بدر کیا ہے تو تو اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے۔

رہ گئی میری امیدِ خلافت۔ تو میں اگر ایسا کروں تو یہ میرا حق ہے اور تو تو اپنے بھائی جیسا بھی نہیں ہے۔ تیرا بھائی تو تجھ سے زیادہ خدا کا سرکش بندہ ہے اور مسلمانوں کا زیادہ خون بہانا چاہتا ہے اور مکر و فریب سے اس حق کا طلب گار ہے جو ہرگز اس کا نہیں ہے۔

اور تیرا یہ قول کہ علیؑ قریش کے حق میں بدترین انسان تھے۔ تو خدا گواہ ہے کہ انھوں نے نہ کسی شریف کو حقیر بنایا ہے اور نہ کسی بے گناہ کو قتل کیا ہے۔!

اور تو اے مغیرہ بن شعبہ! خدا کا دشمن ہے اور کتابِ خدا کو نظر انداز کرنے والا اور رسولِ خدا کی تکذیب کرنے والا ہے۔ تو وہ زانی ہے جس پر سنگسار کی سزا ثابت تھی، اور گواہوں نے گواہی بھی دے دی تھی لیکن حاکم نے سزا کو ٹال دیا اور حق کو باطل کے ذریعہ دفع کر کے صداقت کو غلط بیانوں سے مغلوب کر دیا تھا اور یہ سب اس لیے ہوا تھا کہ تیرے لیے

آخرت میں دردناک عذاب اور دنیا میں ذلت و رسوائی ہے۔ تو نے ہی جناب فاطمہؑ بنتِ رسولؐ کو زخمی کیا تھا اور محسن کو شہید کیا تھا جب کہ رسول اکرمؐ نے انھیں خواتین جنت کا سردار قرار دیا تھا۔ تو نے کس بات پر علیؑ کو بُرا کہا ہے۔ ان کے نسب میں کوئی نقص ہے یا وہ رسولؐ اللہ سے دور ہیں یا اسلام میں کوئی بُرا کام کیا ہے یا فیصلہ میں ناانصافی کی ہے یا دنیا داری میں پڑ گئے ہیں۔ تو ایسے الزام لگائے گا تو تو جھوٹا ہوگا اور سب تیری تکذیب کریں گے۔

تیرا خیال ہے کہ علیؑ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ تو خدا کی قسم ان کا دامن ایسے الزامات سے بالکل پاک و صاف ہے اور اگر ایسا ہوتا بھی تو تجھ سے کیا تعلق ہے۔؟ تو نے تو زندگی میں بھی عثمانؓ کی مدد نہیں کی اور مرنے کے بعد بھی ان کے کام نہیں آیا۔ تیری منزل طائف میں تھی اور تو بدکار عورتوں کی تلاش میں گھوم رہا تھا اور جاہلیت کا احیاء کر کے اسلام کو فنا کرنا چاہتا تھا۔

حکومت کے بارے میں تیرا اور تیرے ساتھیوں کا قول کہ علیؑ مارے گئے اور تمہیں حکومت مل گئی ہے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ فرعون نے مصر پر چار سو سال حکومت کی تھی جب کہ موسیٰ اور ہارون مستقل اذیتوں کا شکار رہے۔ یہ تو ملک خدا ہے جسے بھی دے دیا جائے۔ وہ تو خود ہی فرماتا ہے کہ :

" شاید یہ آزمائش ہو یا چند روزہ مہلت ہو۔"

" وہ ہر قریہ کو اہلِ دولت کی بداعمالیوں ہی کی بنا پر تباہ کرتا ہے۔"

یہ کہہ کر آپ دامن جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لیے ہیں۔ اور اے معاویہ! یہ تیرا اور تیرے اصحاب کا حال ہے۔ اور پاکیزہ چیزیں پاکیزہ لوگوں کے لیے ہیں۔ اور یہ علیؑ اور ان کے اصحاب اور شیعہ افراد کا حال ہے۔ معاویہ! تو نے جو کچھ کیا ہے اس کا وبال تیری گردن پر ہے اور ظالموں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی عذابِ الیم ہے۔

یہ سُن کر معاویہ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ، لو اپنے کیے کا مزہ چکھو۔

ولید نے کہا کہ ہم نے تو وہی مزہ چکھا ہے جو تو نے بھی چکھا ہے اور یہ تو دراصل تیرے اوپر حملہ ہوا ہے۔

معاویہ نے بگڑ کر جواب دیا کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ حسنؑ کی توہین ممکن نہیں ہے۔ لیکن تم لوگوں نے قبول نہیں کیا اور نتیجہ میں ذلیل ہو گئے۔ خدا کی قسم وہ جس وقت دربار سے نکلے ہیں دنیا میری نظروں میں اندھیر ہو گئی تھی اور میں نے دیکھ لیا تھا کہ تم لوگوں میں کوئی خیر نہیں ہے۔ نہ آج اور نہ آج کے بعد۔ (احتجاج طبرسیؒ ج ۱ ص ۴۱۲)

نوٹ : واضح رہے کہ متعصب افراد اس واقعہ کے وقوع سے انکار کر سکتے ہیں لیکن اس کے مندرجات سے انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ اور حق کی سربلندی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام حسنؑ کا ہر دعویٰ ناقابلِ تردید ہے اور ظالموں کا ہر الزام مہمل، بے بنیاد اور باعثِ رسوائی دنیا و آخرت ہے۔!

والسّلام علیٰ مَن اتبع الھُدیٰ

خصائص الحسنؑ

ائمہ طاہرینؑ کے خصوصیات کی دو۲ قسمیں ہیں۔

بعض کا تعلق عام افرادِ امت یا اولیاء اللہ سے ہے کہ ان حضرات میں وہ خصوصیات پائے جاتے ہیں، جو دیگر افرادِ امت یا اولیاءِ خدا میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

اور بعض کا تعلق خود ان کے گھرانے اور خاندان سے ہے کہ رب العالمین نے مواقع اور مصالح کی مناسبت سے ہر امام کو وہ خصوصیات عنایت فرمائے ہیں جو دوسرے ائمہ کی زندگی میں بھی نہیں پائے جاتے ہیں کہ ان کا دور ان خصوصیات کا مستحق نہیں تھا یا ان کے دور میں ان خصوصیات کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

ذیل میں امام حسن مجتبیٰؑ کے دونوں قسم کے خصوصیات کی طرف اجمالی اشارہ کیا جا رہا ہے، تفصیلی مطالب واقعات اور کرامات وغیرہ کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں یا بیان ہوتے رہتے ہیں۔

ان خصوصیات کے تذکرہ کا سلسلہ نسب شریف اور وقت ولادت سے شروع ہوتا ہے اور شہادت اور اس کے بعد کے واقعات پر منتہی ہوتا ہے۔

امام حسن مجتبیٰؑ کا سب سے پہلا امتیاز یہ ہے کہ آپ تاریخ بنی آدم میں وہ پہلے انسان ہیں جو معصوم ماں باپ کے ذریعہ عالم وجود میں آئے ہیں اور آپ کے والدین کو وہ عصمت مطلقہ حاصل ہے جس کی مثال انبیاءِ کرام اور اولیاءِ خدا کی تاریخ حیات میں بھی نہیں ملتی ہے۔

آپ وہ پہلے انسان ہیں جنھیں رب العالمین نے وہ اوصاف اضافی عنایت فرمائے ہیں جن کی نظیر تاریخ کائنات میں کہیں نہیں ہے۔ آپ کے جد بزرگوار رسولِ اکرمؐ، آپ کی جدہ ماجدہ خدیجۃ الکبریٰؓ ام المومنین، آپ کے والد محترم مولائے کائناتؑ، آپ کی والدہ گرامی صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراؑ، آپ کے چچا حضرت عقیل و جعفر طیارؑ، آپ کی پھوپھی حضرت ام ہانی جن کے گھر کو

مسجد الحرام کا مرتبہ دیا گیا ہے، آپ کے دادا حضرت ابو طالب جنھیں محسنِ اسلام اور مربیِ رسول اکرمؐ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

واضح رہے کہ ان اوصاف میں اگرچہ امام حسینؑ بھی شریک ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ رب العالمین نے یہ شرف امام حسنؑ کو امام حسینؑ سے پہلے عنایت کیا ہے لہٰذا اس اعتبار سے آپ اپنے دور میں اس شرف کے اعتبار سے بالکل منفرد تھے اگرچہ آلِ محمدؐ میں باہمی طور پر کمالات کا موازنہ نہیں ہو سکتا ہے کہ سب ایک نور کے ٹکڑے اور ایک حقیقت نورانیہ کے اجزاء ہیں۔

دَورِ کمسنی

کمسنی کا زمانہ جب عام طور سے دنیا کے بچے کھیل کود میں زندگی گذارتے ہیں ــ اور قرآن مجید نے بھی اسی نکتہ کا لحاظ رکھ کر زندگانی دنیا کو ابتدا میں لہو و لعب اور آخر میں زینت و تفاخر وغیرہ قرار دیا ہے۔ آلِ محمدؐ کے کمسن افراد ان خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں، جن کا دوسرے انسانوں کی زندگی میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر:

امام حسنؑ کی قوت شامہ اس قدر قوی تھی کہ گھر میں داخل ہوتے ہی مادر گرامی سے فرمایا کہ میں اپنے نانا کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں جس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امامت کی قوت احساس عام انسانوں سے بلند تر اور قوی تر ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے جسم میں ایک خوشبو ہوتی ہے جس کا ادراک ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا ہے اور اس کے لیے امام حسنؑ جیسی قوت احساس درکار ہے۔

امام حسنؑ کی قوت بصارت یا بصیرت اس قدر قوی تھی کہ جب مولائے کائنات نے پس پردہ بیٹھ کر بیٹے کا بیان سننا چاہا تو فوراً فرمادیا کہ مادر گرامی! آج میرے بیان میں روانی نہیں ہے اور میری زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا سردار مجھے دیکھ رہا ہے۔

امام حسنؑ نے اس بیان سے یہ بھی واضح کر دیا کہ مجھے سرکار دو عالمؐ نے جوانانِ جنت کا

سردار قرار دیا ہے۔ لیکن میں اپنے پدر بزرگوار کو باپ کے بجائے اپنا سردار کہہ کر یاد کر رہا ہوں تاکہ دنیا کو یہ اندازہ ہو جائے کہ اُن کا مقابلہ مجھ جیسے افراد سے نہیں کیا جا سکتا ہے تو امت کے گنہگار افراد کا کیا ذکر ہے۔

فضائل و مناقب

فضائل و مناقب کے اعتبار سے بھی امام حسنؑ کو ایک انفرادیت حاصل ہے جو عام افراد امت کے مقابلہ میں بھی ہے اور بعض اعتبارات سے خود دیگر افراد اہلبیتؑ کے مقابلہ میں بھی۔ مثال کے طور پر:

آپ پہلے انسان ہیں جنھیں کساء یمانی میں داخلہ کا شرف ملا ہے اور جنھیں قدرت نے ضعفِ پیغمبرؐ کا پہلا علاج قرار دیا ہے۔

میدان مباہلہ میں عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کے دفاع کے لیے حق و صداقت کے مجسمے بن کر آنے والوں میں آپ سب سے نمایاں فرد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انتہائی کمسنی کے باوجود میدان میں اپنے پیروں سے آئے اور رسول اکرمؐ نے آپ کو سب سے آگے رکھا اور اپنے برابر سے چلنے کا شرف عنایت فرمایا۔

سورۂ ھَلْ اَتیٰ کے نزول کے لیے جن افراد کی بیماری کو سبب قرار دیا گیا ہے اور جن کی شفا و صحت کی نذر کو پورا کرنے کے لیے روزہ رکھے گئے ہیں ان میں امام حسنؑ بھی شامل ہیں اور یہ شرف حسنینؑ کے علاوہ دنیا کے کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا ہے۔

پروردگار عالم نے جن افراد کی محبت کو اجر رسالت قرار دیا ہے ان میں امام حسنؑ بھی شامل ہیں اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اُس وقت آپ انتہائی کمسن تھے اور کمسنی میں انسان تعلیمات رسالت سے بھی فیضیاب نہیں ہوتا ہے چہ جائیکہ اس کی محبت کو رسالت کی اُجرت قرار دے دیا جائے لیکن پروردگار نے یہ شرف امام حسنؑ کو کمسنی کے عالم میں عنایت فرمایا ہے۔

اسی کمسنی کے دور میں رسول اکرمؐ نے آپ کو جوانان جنّت کا سردار قرار دیا ہے۔

اسی دور میں آپؐ نے امامت کا اعلان فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ میرے دونوں فرزند

امام ہیں چاہیں قیام کریں یا بیٹھے رہیں۔

ریحان رسولؐ اور سبط پیغمبرؐ ہونے کا شرف بھی آپ کو اسی دور کمسنی میں حاصل ہوا ہے۔

دورِ شباب

جوانی کے زمانے میں آپ کو زور بازو اور قوت شجاعت دکھلانے کا موقع ملا ہے تو جمل و صفین کے معرکوں میں اس بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے جس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی ہے اور مولائے کائنات نے آپ کے وجود اقدس کی اس قدر توقیر و تقدیر کی ہے کہ جب محمد بن الحنفیہ نے یہ کہہ دیا کہ آپ ہر مرتبہ مجھی کو بھیجتے ہیں اور حسنینؑ کو میدان میں نہیں بھیجتے ہیں تو آپ نے ٹوک کر فرمایا کہ تم میرے فرزند ہو اور یہ دونوں رسول اللہؐ کے فرزند ہیں۔

دورِ امامت

آپ کے دورِ قیادت کا آغاز ایسے سخت حالات سے ہوا ہے جس کی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

آپ نے پہلی نماز جماعت اس وقت پڑھائی ہے جب باپ سامنے محراب میں زخمی بیٹھا ہوا تھا۔ خون فرق اقدس سے جاری تھا۔ ریش مبارک خون سے رنگین ہو رہی تھی اور آپ نہایت درجہ خضوع و خشوع سے عبادت الٰہی انجام دے رہے تھے۔

دوسری مصیبت آپ کے سامنے یہ آئی کہ اُس باپ کو بھی علی الاعلان دفن نہ کر سکے جو خلیفۃ المسلمین ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا تھا اور جس کے غم میں سارا عالم اسلام سوگوار تھا۔ اس لیے کہ آپ کو شام کے مظالم اور امت اسلامیہ کی بے حیائی اور بے وفائی کا مکمل اندازہ تھا اور یہ خطرہ تھا کہ نشانِ قبر واضح ہو گیا تو کسی وقت بھی قبر اقدس کی بے حُرمتی کی جا سکتی ہے جس طرح مسلمانوں نے مادر گرامی کی قبر کو کھولنے کا منصوبہ بنا لیا تھا اور مولائے کائناتؑ کے غیظ و غضب کو دیکھ کر اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

تیسری عظیم ترین مصیبت یہ ہے کہ آپ کو مصلحت اسلام کی خاطر ایسے شخص سے صلح کرنا پڑی

جس کے بارے میں آپ کو مکمل طور پر یقین تھا کہ میرے بابا کا قاتل یہی ہے، اور ابن ملجم کو تلوار، زہر اور ساتھی اسی نے فراہم کیے ہیں اگرچہ مظالم پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک ایسی سازش بھی کی گئی ہے جس سے قاتل کا صحیح سُراغ نہ مل سکے اور مسئلہ مشتبہ اور مشکوک ہو کر رہ جائے۔ لیکن آپ نے صلح کی اور صلح کر کے واضح کر دیا کہ ہم ذاتی مسائل کو اسلامی مسائل پر مقدم نہیں کرتے ہیں ورنہ صورتِ حال اتنی سنگین تھی کہ بعض مخلصین نے بھی آپ کو "مذل المومنین" کے لقب سے یاد کرنا شروع کر دیا تھا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ باپ کے قاتل سے جنگ کرنا اور اسے قتل کر دینا بہت آسان ہے لیکن اس سے صلح کرنا اور ظاہری حکومت کا اس کے حوالہ کر دینا اس قدر سخت اور سنگین کام ہے کہ اسے امام حسن مجتبیٰؑ کے علاوہ کوئی انجام نہیں دے سکتا ہے۔

امام حسنؑ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ نے صلح کے پردہ میں شام کے حاکم ظالم معاویہ بن ابوسفیان سے اس کی بے دینی کا بھی اقرار لے لیا اور اس کے مظالم کا بھی۔ چنانچہ آپ نے صلح نامہ کے سادے ورق پر یہ شرط بھی لکھ دی کہ تجھے کتاب و سنت پر عمل کرنا ہوگا اور یہ شرط بھی طے کر دی کہ مولائے کائناتؑ پر جاری سب و شتم کا سلسلہ بند کرنا ہوگا جس کا کُھلا ہوا مطلب یہ تھا کہ شام میں کتاب و سنت پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور مولائے کائنات پر سبّ و شتم کا سلسلہ جاری ہے۔

سنتِ رسولؐ کا ذکر کر کے آپ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اسلام میں سنتِ رسولؐ کے علاوہ کسی اور سیرت کی گنجائش نہیں ہے اور دوسری سیرت کا ادعا اسلامی مزاج کے سراسر خلاف ہے۔ اس بات کا مولائے کائنات نے زبانی اعلان کیا تھا لیکن امام حسنؑ نے حاکم شام سے تحریری اقرار لے لیا۔

آپ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ نے صلح نامہ میں ایسے شرائط لکھ دیے جن کے بارے میں معلوم تھا کہ حاکم شام عمل نہیں کرے گا اور اسے پارہ پارہ کر دے گا اور اس طرح عالم اسلام کو اس کی نیت کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔ چنانچہ جب اس نے صلح نامہ کو پارہ پارہ کر کے پیروں تلے دبا دیا اور کسی نے امام حسنؑ سے کہا کہ آپ دھوکہ کھا گئے تو آپ نے نہایت حسین انداز میں جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے دھوکہ دیا نہیں اور اس طرح حاکم شام کے دھوکہ باز ہونے کا اقرار قوم سے بھی لے لیا اور حاکم شام کو بھی متوجہ کر دیا کہ نام خدا و رسولؐ پر مشتمل صلح نامہ کا زیر قدم رکھنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا ہے۔

آپ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ حاکم شام کے اس برتاؤ کے بعد بھی آپ اپنے صلح نامہ کے شرائط پر قائم رہے اور کسی وقت بھی اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ اپنے بعد ایسا انتظام اور اس قسم کی وصیت کر کے گئے کہ بنی ہاشم بھی اس صلح نامہ کی مخالفت نہ کرنے پائیں اور آلِ محمدؐ پر کسی آن بھی عہد شکنی کا الزام نہ آنے پائے۔

شہادت

امام حسنؑ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ سب سے پہلے شہید ہیں جنھیں زہر دغا سے شہید کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے تاریخ حیات پیغمبرؐ میں اس قسم کے مصائب کا اشارہ ضرور ملتا ہے لیکن امام حسنؑ کی شہادت ایک بالکل واضح اور مسلم واقعہ ہے جس کا مورخین اسلام نے بھی اقرار کیا ہے اگرچہ قاتل اور زہر دینے والے کو مشتبہ بنا دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

امام حسنؑ نے اپنی شہادت سے یہ بھی واضح کر دیا کہ رشتۂ زوجیت کردار کی ضمانت نہیں ہے اور بدنفس زوجہ شوہر کی قاتل بھی ہو سکتی ہے اور ہوسِ دنیا شامل ہو جائے تو انسان کوئی بھی اقدام کر سکتا ہے۔

شہادت کے بعد جنازہ پر تیروں کی بارش بھی آپ کے امتیازات مصائب میں شامل ہے، جس کی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

پہلوئے رسولؐ میں دفن کی جگہ کا نہ ملنا بھی آپ کے امتیازاتِ مصائب میں شامل ہے جس سے امتِ اسلامیہ کی بے حیائی اور بے وفائی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اصحابِ رسولؐ کو پہلوئے رسولؐ میں جگہ مل سکتی ہے لیکن فرزندِ رسولؐ کو نانا کے پہلو میں جگہ نہیں مل سکتی ہے۔

الزامات

امام حسنؑ کی زندگی کا ایک رُخ یہ بھی ہے کہ آپ کو امتِ اسلامیہ نے اس طرح خلیفۃ المسلمین تسلیم نہیں کیا جس طرح اس کے پہلے خلفاء اسلام کی شخصیتیں تسلیم کی جاتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی امیہ نے آپ کے خلاف الزامات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

سب سے پہلا الزام آپ پر کثرتِ ازواج کا لگایا گیا اور اس کے بارے میں طرح طرح کی روایتیں وضع کی گئیں۔ اور اس کی پشت پر عیسائیت نے مکمّل طور پر بنی امیہ کی حمایت کی کہ معاویہ کا دربار عیسائیوں کے نمائندوں سے بھرا ہوا تھا۔ معاویہ کہ منوو جو یزید کی ماں بھی عیسائی تھی۔ اور معاویہ کا طبیب خاص بھی عیسائی تھا۔ اور عیسائیت کی نگاہ میں کسی صاحبِ کردار کے کردار پر سب سے بڑا حملہ مسئلہ کثرت ازواج ہے۔ جس طرح کہ اسلام کے خلاف سب سے بڑا حربہ مسئلہ جواز تعدد ازواج ہے۔ چنانچہ یہی حربہ روزِ اوّل رسول اسلامؐ کے خلاف استعمال کیا گیا اور بعد میں امام حسنؑ کے خلاف استعمال ہوا اور اس کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ عیسائیت میں شادی کا تصور ہی نہیں ہے اور وہ مذہبی طور پر ہر مثالی کردار سے خالی ہے۔

عیسائیت نے عورتوں میں مثالی کردار حضرت مریم کا قرار دیا ہے اور انھوں نے عقد نہیں کیا ہے۔

اور مردوں میں مثالی کردار حضرت عیسیٰؑ کا ہے اور انھوں نے بھی کوئی عقد نہیں کیا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی دنیا شادی کی اہمیت سے ناواقف رہ گئی اور اس کے ذہن میں یہ تصوّر قائم ہو گیا کہ شادی روحانیت اور عظمتِ کردار کے خلاف ہے اور اسے جہاں بھی دو چار شادیوں کا ذکر دکھائی دیا، یا جہاں کسی شخصیت سے اختلاف پیدا ہو گیا اس کے خلاف سب سے پہلے کثرتِ ازواج کا پروپیگنڈہ کیا گیا۔ یا اس کے تعدد ازواج کو اس کے کردار کی کمزوری کی دلیل بنا دیا گیا۔

امام حسنؑ پر دوسرا الزام خوف اور بزدلی کا تھا۔ اور یہ بات اس سے پہلے کسی نہ کسی شکل میں رسول اکرمؐ اور مولائے کائناتؑ کے بارے میں بھی کہی گئی ہے۔ لیکن اس وقت صورت حال قدرے مختلف تھی لہذا ان حضرات کو اس مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا جس کا سامنا امام حسنؑ کو کرنا پڑا اور آپ نے اس مصیبت کے باوجود اپنی مہم کو جاری رکھا اور کوئی اقدام ایسا نہیں کیا جسے ظالم بہانہ قرار دے کر بنی ہاشم، یا

محبانِ آلِ محمدؐ کا خاتمہ کر دے۔

امام حسنؑ کا یہ بھی ایک امتیازی کمال ہے کہ آپ نے قوم کے تحفّظ کے لیے ایسا طریقۂ کار اختیار کیا جو اس سے پہلے رائج نہ تھا۔ آپ نے ایک طرف طاقت کا استعمال کیے بغیر قوم کا تحفظ کر لیا اور دوسری طرف سخت ترین دشمنِ اسلام کو حکومت کے نام پر محافظ اسلام بنا دیا۔ اور وہ بنی امیہ جو روزِ اوّل سے اسلام کے مٹا دینے کے درپے تھے ان کا چشم و چراغ معاویہ بظاہر اسلامی سرحدوں کا محافظ بن گیا اور یہ بھی امام حسنؑ کی حکمت عملی کا ایک عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔
